Colonization Ideal

The British Spy
In Islamic Countries

ہمفرے کے اعترافات

عبدالوہاب نجدی کون تھا؟

☆ عبدالوہاب نجدی کو کس نے عالم اسلام میں فتنہ برپا کرنے کیلئے آمادہ کیا؟

☆ ایک ایسا واقعہ جو انگریزوں کی ذہنیت کو ظاہر کرتا ہے۔ ایک ایسی تحریر جسے جھٹلانا ناممکن ہے۔

☆ ایک ایسا واقعہ جو حقائق سے پردہ اٹھاتا ہے۔

☆ ایک ایسی سازش جس سے ہر مسلمان کا باخبر ہونا ضروری ہے۔

میں استنبول میں قیام کے دوران راتوں کو ایک مسجد میں سو رہتا تھا اور اس کے عوض وہاں کے خادم کو جس کا نام مروان آفندی تھا کچھ رقم دے دیتا تھا۔ وہ ایک بد اخلاق، غصہ ور شخص تھا اور اپنے آپ کو پیغمبر اسلام کے ایک صحابی کا ہم نام سمجھتا تھا اور اس نام پر بڑا فخر کرتا تھا۔ ایک بار اس نے مجھ سے کہا، اگر کبھی خدا نے تمہیں صاحب اولاد کیا تو تم اپنے بیٹے کا نام مروان رکھنا کیونکہ اس کا شمار اسلام کے عظیم مجاہدوں میں ہوتا ہے۔

رات کا کھانا میں خادم کے ساتھ کھاتا تھا اور جمعہ کا تمام دن جو مسلمانوں کی عید اور چھٹی کا دن تھا خادم کے ساتھ گزارتا تھا۔ ہفتہ کے باقی دن ایک بڑھئی کی شاگردی میں کام کرتا تھا اور وہاں سے مجھے ایک حقیری رقم مل جایا کرتی تھی۔ میں آدھا دن کام کرتا تھا کیونکہ شام کو مجھے شیخ سے درس لینا ہوتا تھا اسلئے میری دہاڑی بھی آدھی ہوتی تھی۔ اس بڑھئی کا نام خالد تھا۔ دوپہر کو کھانے کے وقت وہ ہمیشہ فاتح اسلام 'خالد بن ولیدؓ' کا تذکرہ کرتا تھا اور اس کے فضائل بیان کرتا تھا اور اسے اصحاب پیغمبر میں گردانتا تھا جن کے ہاتھوں مخالفین اسلام نے ہزیمت اُٹھائی۔ ہر چند حضرت عمر سے اس کے تعلقات کچھ زیادہ استوار نہ تھے اور اسے یہ کھٹکا تھا کہ اگر خلافت انہیں ملی تو وہ اسے معزول کر دیں گے اور ایسا ہی ہوا۔

لیکن خالد بڑھئی اچھے کردار کا حامل نہ تھا تاہم اپنے دیگر شاگردوں سے کچھ زیادہ ہی مجھ پر مہربان تھا جس کا سبب مجھے اب تک معلوم نہ ہو سکا۔ شاید اس لئے کہ میں بغیر لیت و لعل اس کے ہر کام کو بجا لاتا تھا اور اس سے مذہبی اُمور یا اپنے کام کے بارے میں کسی قسم کا کوئی بحث و مباحثہ نہیں کرتا تھا۔ کئی بار دکان خالی ہونے پر میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھے اچھی نظروں سے نہیں دیکھ رہا ہے۔ شیخ احمد نے مجھ سے کہا تھا کہ بدفعلی اسلام میں بہت بڑا گناہ ہے لیکن پھر بھی خالد اس فعل کے ارتکاب پر مصر تھا۔

وہ دین و دیانت کا زیادہ پابند نہیں تھا اور در حقیقت صحیح عقیدہ اور صحیح ایمان کا آدمی نہیں تھا۔ وہ صرف جمعہ کے جمعہ نماز پڑھنے جایا کرتا تھا اور باقی دنوں میں اس کا نماز پڑھنا مجھ پر ثابت نہیں تھا۔ بہر حال میں نے اس بے شرمانہ ترغیب کو رد کیا لیکن کچھ دنوں کے بعد اس نے یہ فعل اپنی دوکان کے دوسرے کاریگر کے ساتھ انجام دیا جو ابھی نومسلم تھا اور یہودیت سے اسلام میں وارد ہوا تھا۔

میں روزانہ بڑھئی کی دکان میں دوپہر کا کھانا کھا کر ظہر کی نماز کیلئے مسجد میں چلا جایا کرتا تھا اور وہاں نمازِ عصر تک رہتا تھا۔ عصر کی نماز سے فارغ ہو کر شیخ احمد کے گھر جایا کرتا تھا اور وہاں دو گھنٹے قرآن خوانی میں صرف کرتا تھا۔ قرآن کے علاوہ عربی اور ترکی زبان بھی سیکھتا تھا اور ہر جمعہ کو ہفتہ بھر کی دہاڑی زکوٰۃ کے عنوان سے شیخ احمد کے حوالے کرتا تھا اور یہ زکوٰۃ در حقیقت شیخ سے میری ارادت اور لگاؤ کا ایک نذرانہ اور شیخ کے درسِ قرآن کا ایک حقیر سا حق الذمہ تھا۔ قرآن کی تعلیم میں شیخ کا طرز درس بے نظیر نوعیت کا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے اسلامی احکام کی مبادیات عربی اور ترکی زبان میں سکھاتا تھا۔

جب شیخ کو معلوم ہوا کہ میں غیر شادی شدہ ہوں تو اس نے مجھے شادی کا مشورہ دیا اور اپنی ایک بیٹی میرے لئے منتخب کی لیکن میں نے بڑے مؤدبانہ انداز سے معذرت چاہی اور اپنے آپ کو شادی کیلئے نا قابل ظاہر کیا۔ میں یہ موقف اختیار کرنے پر مجبور تھا کیونکہ شیخ احمد اپنی بات پر مصر تھا اور ہمارے تعلقات بگڑنے میں کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی تھی۔ شیخ احمد شادی کو پیغمبر اسلام کی سنت سمجھتا تھا اور اس حدیث کا حوالہ دیتا تھا:

(من رغب عن سنتی فلیس منی)

جو کوئی میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔

لہٰذا اس بہانہ کے علاوہ میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ میرے اس مصلحت آمیز جھوٹ نے شیخ کو مطمئن کر دیا اور پھر اس نے شادی کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کی اور ہماری دوستی پھر پہلی منزل پر آ گئی۔ دو سال استنبول میں رہنے اور قرآن سمیت عربی اور ترکی زبان کو سیکھنے کے بعد میں نے شیخ سے واپس وطن جانے کی اجازت چاہی لیکن شیخ مجھے اجازت نہیں دیتا تھا اور کہتا تھا تم اتنی جلدی کیوں واپس جانا چاہتے ہو؟ یہ ایک بڑا شہر ہے۔ یہاں تمہاری ضرورت کی ہر چیز موجود ہے۔ بر بنائے مشیت و الٰہی استنبول میں دین اور دنیا دونوں دستیاب ہیں۔ شیخ نے اپنی گفتگو کے دوران کہا، اب جبکہ تم اکیلے ہو اور تمہارے ماں باپ اور بہن بھائی کوئی نہیں تو پھر تم استنبول کو اپنا مسکن کیوں نہیں بناتے؟

بہر حال شیخ کو میرے وہاں رہنے پر بڑا اصرار تھا۔ اسے مجھ سے انس ہو گیا تھا۔ مجھے بھی اس سے بہت دلچسپی تھی مگر اپنے وطن انگلستان کے بارے میں مجھ پر جو ذمہ داریاں عائد تھیں وہ میرے لئے سب سے زیادہ اہم تھیں اور مجھے لندن جانے پر مجبور کر رہی تھیں۔ میرے لئے ضروری تھا کہ میں لندن جا کر نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت کو اپنی دو سالہ کارگزاری کی مکمل رپورٹ پیش کروں اور وہاں سے نئے احکامات حاصل کروں۔ استنبول میں دو سال کی رہائش کے دوران مجھے عثمانی حکومت کے حالات پر ہر ماہ ایک رپورٹ لندن بھیجنی پڑتی تھی۔ میں نے اپنی ایک رپورٹ میں بدکردار بڑھئی کے واقعے کو بھی لکھا تھا جو میرے ساتھ پیش آیا تھا۔ نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت نے مجھے یہ حکم دیا، اگر تمہارے ساتھ بڑھئی کا یہ فعل ہمارے لئے منزل مقصود تک پہنچنے کی راہ کو آسان بناتا ہے تو اس کام میں کوئی مضائقہ نہیں۔ میں نے جب یہ عبارت پڑھی تو میرا سر چکرانے لگا اور میں نے سوچا ہمارے افسران کو شرم نہیں آتی کہ وہ حکومت کی مصلحتوں کی خاطر مجھے اس بے شرمی کی ترغیب دیتے ہیں۔ بہر حال میرے پاس کوئی چارہ نہیں تھا اور ہونٹوں سے لگائے ہوئے اس کڑوے جام کو آخری گھونٹ تک پی جانا تھا۔ تاہم میں نے اس حکم کا کوئی نوٹس نہیں لیا اور لندن کے اعلیٰ عہدیداروں کی اس بے مہری کی کسی سے شکایت نہیں کی۔

مجھے الوداع کہتے ہوئے شیخ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس نے مجھے ان الفاظ کے ساتھ رُخصت کیا، خدا حافظ بیٹے! مجھے معلوم ہے اب جب تم لوٹ کر آؤ گے تو مجھے اس دنیا میں نہیں پاؤ گے۔ مجھے نہ بھلانا۔ اِن شاءاللہ روزِ محشر پیغمبر اسلام کے حضور ہم ایک دوسرے سے ملیں گے۔

درحقیقت شیخ احمد کی جدائی سے میں ایک عرصہ تک آزردہ خاطر رہا اور اسکے غم میں میری آنکھیں آنسو بہاتی رہیں لیکن کیا کیا جاسکتا تھا؟ فرائض کی انجام دہی ذاتی احساسات سے ماورا ہے۔

میرے دیگر ساتھیوں کو بھی لندن واپس بلا لیا گیا تھا مگر بدقسمتی سے ان میں سے صرف پانچ واپس لوٹے باقی ماندہ چار افراد میں سے ایک مسلمان ہو چکا تھا اور وہیں مصر میں رہائش پذیر تھا۔ اس واقعہ کا نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کے سیکرٹری نے مجھے بتایا لیکن وہ اس بات سے خوش تھا کہ مذکورہ شخص نے ان کے کسی راز کو افشاء نہیں کیا تھا۔ دوسرا جاسوس روسی نژاد تھا اور روس پہنچ کر اس نے وہیں بود و باش اختیار کرلی تھی۔ سیکرٹری اس کے بارے میں بڑا فکر مند تھا۔ اسے کھٹکا تھا کہ کہیں یہ روسی نژاد جاسوس جو اب اپنی سرزمین میں پہنچ چکا تھا ہمارے راز فاش نہ کردے۔ تیسرا شخص بغداد کے قریب واقع 'عمارہ' میں ہیضہ سے ہلاک ہوگیا تھا اور چوتھے کے بارے میں کوئی اطلاع موصول نہ ہوسکی تھی۔ نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کو اس کے بارے میں اس وقت تک اطلاع رہی جب تک وہ یمن کے پایہ تخت 'صنعا' میں رہتے ہوئے مسلسل ایک سال تک اپنی رپورٹیں مذکورہ وزارت کو بھیجتا رہا لیکن اس کے بعد جب کوئی اطلاع موصول نہ ہوئی تو ہر چند کوشش کے باوجود نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کو اس جاسوس کا کوئی نشان نہ مل سکا۔ حکومت ایک زبردست جاسوس کی گمشدگی کے نتائج سے اچھی طرح باخبر تھی۔ وہ ہر ملازم کے کام کی اہمیت کو بڑی باریکی کے ساتھ جانچتی تھی اور درحقیقت اس طرح کے ملازمین میں سے کسی ملازم کی گمشدگی اس سامراجی حکومت کیلئے تشویشناک تھی جو اسلامی ممالک میں غدر مچانے اور انہیں زیر کرنے کی اسکیموں کی تیاری میں مصروف ہو۔

ہمارا تعلق ایک ایسی قوم سے ہے جو آبادی کے اعتبار سے کم ہونے کے ساتھ بڑی اہم ذمہ داریوں کا بوجھ سہار رہی ہے اور تجربہ کار افراد کی کمی یقیناً ہمارے لئے شدید نقصان کا باعث تھی۔

سیکرٹری نے میری آخری رپورٹ کے اہم حصوں کے مطالعے کے بعد مجھے اس کانفرنس میں شرکت کی ہدایت کی جس میں لندن میں بلائے گئے پانچ جاسوسوں کی رپورٹیں سنی جانے والی تھی۔ اس کانفرنس میں جو وزیر خارجہ کی صدارت میں ہو رہی تھی نوآبادیاتی وزارت کے اعلیٰ عہدہ دار شرکت کر رہے تھے۔ میرے تمام ساتھیوں نے اپنی رپورٹوں کے اہم حصوں کو پڑھ کر سنایا۔ وزیر خارجہ، نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کے سیکرٹری اور بعض حاضرین نے میری رپورٹ کو بڑا سراہا۔ تاہم میں اس محاسبہ میں تیسرے نمبر پر تھا۔ دو اور جاسوسوں نے مجھ سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا جن میں پہلا جی بلکوڈ (G. Belcoud) اور دوسرا ہنری فانس (Henry Fanse) تھا۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ میں نے ترکی، عربی، تجوید قرآن اور اسلامی شریعت میں سب سے زیادہ دسترس حاصل کی تھی لیکن عثمانی حکومت کے زوال کے سلسلے میں میری رپورٹ زیادہ کامیاب نہیں تھی۔

جب سیکرٹری نے کانفرنس کے اختتام پر میری اس کمزوری کا ذکر کیا تو میں نے کہا، ان دو سالوں میں میرے لئے دو زبانوں کا سیکھنا تفسیر قرآن اور اسلامی شریعت سے آشنائی زیادہ اہمیت کی حامل تھی اور دوسرے اُمور پر توجہ دینے کیلئے میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا اگر آپ بھروسہ کریں تو میں یہ کسر آئندہ سفر میں پوری کردونگا۔ سیکرٹری نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم اپنے کام میں کامیاب رہے ہو لیکن ہم چاہتے ہیں کہ تم اس راہ میں دوسروں سے بازی لیجاؤ۔ آئندہ کیلئے تمہیں دو اہم باتوں کا خیال رکھنا ہے:۔

۱..... مسلمانوں کی ان کمزوریوں کی نشاندہی کرو جو ہمیں ان تک پہنچنے اور ان کے مختلف گروہوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے میں کامیابی فراہم کرے کیونکہ دشمن پر ہماری کامیابی کا راز ان مسائل کی شناخت پر منحصر ہے۔

۲..... ان کی کمزوریاں جان لینے کے بعد تمہارا دوسرا کام ان میں پھوٹ ڈالنا ہے۔ اس کام میں پوری قوت صرف کرنے کے بعد تمہیں یہ اطمینان ہو جانا چاہئے کہ تمہارا شمار صفِ اوّل کے انگریز جاسوسوں میں ہونے لگا ہے اور تم اعزازی نشان کے حقدار ہو گئے ہو۔ چھ ماہ لندن میں قیام کے بعد میں نے اپنے چچا کی بیٹی 'میری شورس' سے شادی کر لی جو مجھ سے ایک سال بڑی تھی۔ اس وقت میں بائیس اور وہ تیئس سال کی تھی۔ 'میری' ایک درمیانہ درجے کی ذہنی لڑکی تھی لیکن بڑے دلکش خدوخال کی مالک تھی۔ میری بیوی کا مجھ سے متوازن سلوک تھا اور میں نے اپنی زندگی کے بہترین دن اس کے ساتھ گزارے۔ شادی کے پہلے سال ہی میری بیوی اُمید سے تھی اور میں نئے مہمان کا بے چینی سے منتظر تھا لیکن ایسے موقع پر مجھے وزارت خانہ سے یہ حتمی حکم موصول ہوا کہ میں وقت ضائع کیے بغیر فوراً عراق پہنچوں جو برسہا برس سے عثمانی خلافت کے زیرِ استحصال تھا۔

ہم میاں بیوی جو اپنے پہلے بچے کے انتظار میں تھے اس حکم نامہ سے بہت آزردہ ہوئے لیکن ملک وملت سے محبت، احساس جاہ طلبی اور اپنے ساتھیوں سے رقابت، تمام گھریلو تعیشات، جذبات اور بچے کی محبت پر چھا گئی اور میں نے بغیر تردد کے اس نئی ماموریت کو قبول کر لیا حالانکہ میری بیوی بار بار یہ زور دیتی رہی کہ میں اپنی روانگی کو بچے کی پیدائش تک ملتوی رکھوں۔ جب میں اس سے رخصت ہو رہا تھا تو وہ اور میں دونوں بے تحاشا رو رہے تھے۔ اس پر مجھ سے زیادہ رقت طاری تھی اور وہ کہہ رہی تھی، مجھے بھول نہ جانا خط ضرور لکھتے رہنا، میں بھی اپنے بچے کے سنہری مستقبل کے بارے میں تمہیں لکھتی رہوں گی۔ اس کی باتوں نے میرا دل بھینچ دیا اور مجھے سوچ کی اس منزل تک پہنچایا کہ میں اپنے سفر کو کچھ عرصے کیلئے ملتوی کر دوں لیکن پھر میں نے اپنے آپ پر قابو پایا اور اس سے رخصت ہو کر نئے احکامات حاصل کرنے کیلئے وزارتِ خارجہ روانہ ہو گیا۔

سمندروں میں چھ ماہ کے طویل سفر کے بعد آخر کار بصرہ پہنچا۔ اس شہر میں رہنے والے زیادہ تر وہیں اطراف کے قبائل تھے جن میں ایرانی اور عرب اقوام کے دو اہم بازو شیعہ اور سنی ایک ساتھ زندگی گزار رہے تھے۔ بصرہ میں عیسائیوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اپنی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ میں اہل تشیع اور ایرانیوں سے مل رہا تھا۔ یہاں یہ بات نامناسب نہیں ہوگی اگر میں اہل تشیع اور اہل تسنن کے عقائد کے بارے میں مختصر کہتا چلوں۔

شیعہ حضرات' حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے داماد اور چچا زاد بھائی علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محب ہیں اور ان کو حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا برحق جانشین سمجھتے ہیں۔ ان کا ایمان ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نقش صریح کے ذریعے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین منتخب فرمایا تھا اور آپ کے گیارہ فرزند یکے بعد دیگرے امام اور رسولِ خدا کے برحق جانشین ہیں۔

میری سوچ کے مطابق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے دو فرزند امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت کے بارے میں شیعہ حضرات مکمل طور پر حق بجانب ہیں کیونکہ اپنے مطالعات کی بنیاد پر بعض شواہد و اسناد میرے اس دعوے پر دلالت کرتی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی وہ ہستی تھے جو ممتاز صفات کے حامل تھے اور صحیح طور پر فوج اور اسلامی حکومت کی سربراہی کے اہل تھے۔ امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی امامت کے بارے میں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بہت سی حدیثیں دستیاب ہیں اور اہل سنت کو بھی ان سے انکار نہیں ہے اور دونوں فریق اس پر متحد ہیں۔ البتہ مجھے باقی نو افراد کی جانشینی میں تردد ہے جو حسین بن علی (علیہ السلام) کی اولاد سے ہیں اور شیعہ حضرات انہیں خصوصاً برحق مانتے ہیں۔ حالانکہ یہ کیسے ممکن ہے کہ پیغمبر ان افراد کی امامت کی خبر دیں جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے ہیں؟ لیکن اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے برحق پیغمبر ہوں تو پھر وہ غیب کی خبر دے سکتے ہیں جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آئندہ برسوں کی خبریں دی ہیں لیکن حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت تو عیسائیوں کے نزدیک مسلم ہی نہیں ہے۔ [1] مسلمانوں کا کہنا ہے کہ قرآن پیغمبر کی نبوت پر بھرپور دلیل ہے لیکن میں نے جتنا بھی قرآن پڑھا مجھے ایسی کوئی دلیل نہیں ملی۔ [2]

---

[1] انگریز جاسوس سے اس طرح کے نظریات خلاف توقع نہیں ہیں خاص طور پر جب اسے مسلمانوں کی سرکوبی کیلئے بھیجا گیا ہو۔

[2] یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی قرآن پاک پڑھنے کا دعویٰ بھی کرے لیکن اس کی نظر اس آیت پر نہ گئی ہو جس میں حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کو جناب ختمی مرتبت کی بعثت کی خبر دیتے ہیں۔ ومبشرا برسول یاتي من بعدی اسمہ احمد (سورۃ صف:٦)
اس کے علاوہ بھی جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت پر صریحاً آیات موجود ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن ایک بلند پایہ کتاب ہے اور اس کا مقام تورات اور انجیل سے بڑھ کر ہے۔ قدیم داستانیں، اسلامی احکام، آداب، تعلیمات اور دیگر باتوں نے اس کتاب کو زیادہ معتبر اور زیادہ ممتاز بنا دیا ہے لیکن کیا صرف یہ خصوصی فوقیت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچائی پر دلیل بن سکتی ہے؟ میں حیران ہوں کہ ایک صحرانشین جسے لکھنا اور پڑھنا بھی نہ آتا ہو کس طرح ایک ارفع و اعلیٰ کتاب انسانیت کے حوالے کر سکتا ہے۔ یہ کام تو کوئی پڑھا لکھا اور صاحبِ استعداد آدمی بھی اپنی پوری ہوشمندی کے باوجود انجام نہیں دے سکتا۔ پھر کس طرح ایک صحرائی عرب بغیر تعلیم کے ایک ایسی کتاب لکھ سکتا ہے؟ اور جیسا میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں، کیا یہ کتاب پیغمبر کی نبوت پر دلیل ہو سکتی ہے؟

میں نے اس بارے میں حقیقت سے آگاہی کیلئے بہت مطالعہ کیا ہے۔ لندن میں جب میں نے ایک پادری کے سامنے اس موضوع کو پیش کیا تو وہ بھی کوئی قابلِ اطمینان جواب نہ دے سکا۔ ترکی میں بھی میں نے شیخ احمد سے کئی دفعہ اس موضوع پر بات چیت کی مگر وہاں بھی مجھے اطمینان نہیں ہوا۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ میں لندن کے پادری کے مقابل شیخ احمد سے اتنی کھل کر گفتگو نہیں کر سکتا تھا اس لئے کہ مجھے خطرہ تھا کہ کہیں میرا پول نہ کھل جائے یا پھر کم از کم پیغمبر اسلام کے بارے میں اسے میری نیت پر شک نہ ہو جائے۔ بہر حال میں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدر و منزلت کی عظمت اور بزرگی کا قائل ہوں۔ بے شک آپ کا شمار ان با فضیلت افراد میں ہوتا ہے جن کی کوششیں تربیتِ بشر کیلئے ناقابلِ انکار ہیں اور تاریخ اس بات پر شاہد ہے لیکن پھر بھی مجھے ان کی رسالت میں شک ہے۔ تاہم اگر انہیں پیغمبر تسلیم نہ بھی کیا جائے تو بھی ان کی بزرگی ان افراد سے بڑھ کر ہے جنہیں ہم نوابغ سمجھتے ہیں۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تاریخ کے ہوشمند ترین افراد سے زیادہ ہوشمند تھے۔

اہلِ سنت کہتے ہیں..... حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) مستند آراء کی بنیاد پر حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے زیادہ امرِ خلافت کے حقدار تھے۔ اسی طرح انہوں نے خلفاء کے انتخاب میں قولِ پیغمبر کو بھلا کر براہِ راست اقدام کیا۔ اس طرح کے اختلافات اکثر ادیان، بالخصوص عیسائیت میں پائے جاتے ہیں لیکن شیعہ سنی اختلافات کا ناقابلِ فہم پہلو اس کا استقرار یا مسلسل جاری رہنا ہے جو حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے گزرنے کے صدیوں بعد بھی اب تک اسی زور و شور سے باقی ہے۔ اگر مسلمان حقیقتاً عقل سے کام لیتے تو گزری تاریخ اور بھولے زمانے کے بجائے آج کے بارے میں سوچتے۔

ایک دفعہ میں نے شیعہ سنی اختلافات کے موضوع کو اپنی نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کے سامنے پیش کیا اور ان سے کہا، مسلمان اگر زندگی کے صحیح مفہوم کو سمجھتے تو ان اختلافات کو چھوڑ بیٹھتے اور وحدت و اتحاد کی بات کرتے۔ اچانک صدرِ جلسہ نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا، تمہارا کام مسلمانوں کے درمیان اختلافات کی آگ بھڑکانا ہے نہ کہ تم انہیں اتحاد اور یکجہتی کی دعوت دو۔

عراق جانے سے پہلے سیکرٹری نے اپنی ایک نشست میں مجھ سے کہا، ہمفرے! تم جانتے ہو کہ جنگ اور جھگڑے انسان کیلئے ایک فطری امر ہیں اور جب سے خدا نے آدم کو خلق کیا اور اس کے صلب سے ہابیل اور قابیل پیدا ہوئے اختلافات نے سر اُٹھایا اور اب اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بازگشت تک اسی طرح جاری رہنا ہے۔

ہم انسانی اختلافات کو پانچ باتوں پر تقسیم کرسکتے ہیں:۔

(۱) نسلی اختلافات (۲) قبائلی اختلافات (۳) ارضی اختلافات (٤) قومی اختلافات (٥) مذہبی اختلافات

اس سفر میں تمہارا اہم ترین فریضہ مسلمانوں کے درمیان اختلافات کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنا اور انہیں ہوا دینے کے طریقوں کو سیکھنا ہے۔ اس سلسلے میں جتنی معلومات بھی مہیا ہوسکیں تمہیں اس کی اطلاع لندن کے حکام تک پہنچانا ہے۔ اگر تم اسلامی ممالک کے بعض حصوں میں سنی شیعہ فساد برپا کردو تو گویا تم نے حکومت برطانیہ کی عظیم خدمت کی ہے۔

جب تک ہم اپنے نوآبادیاتی علاقوں میں نفاق، تفرقہ، شورش اور اختلافات کی آگ کو ہوا نہیں دیں گے پرسکون اور مرفہ الحال نہیں ہوسکتے۔ ہم اس وقت تک عثمانی سلطنت کو شکست نہیں دے سکتے جب تک اس کے قلمرو میں شہر شہر، گلی گلی فتنہ و فساد برپا نہ کریں۔ اتنے بڑے علاقے پر انگریزوں کی مختصر قوم سوائے اس ہتھکنڈے کے اور کس طرح چھا سکتی ہے۔

پس اے ہمفرے! تمہیں چاہیئے کہ تم پہلے اپنی پوری قوت صرف کرکے ہنگامے، شور شرابے، پھوٹ اور اختلافات کی کوئی راہ نکالو اور پھر وہاں سے اپنے کام کا آغاز کرو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اس وقت عثمانی اور ایرانی حکومتیں کمزور ہوچکی ہیں۔ تمہارا فرض ہے کہ تم لوگوں کو ان کے حکمرانوں کے خلاف بھڑکاؤ۔ تاریخی حقائق کی بنیاد پر ہمیشہ انقلابات، حکمرانوں کے خلاف عوام کی شورش سے وجود میں آئے ہیں۔ جب بھی کسی علاقے کی عوام میں پھوٹ اور انتشار پڑ جائے تو استعمار کی راہ ہموار ہوسکتی ہے۔

بصرہ پہنچ کر میں ایک مسجد میں داخل ہوا۔ مسجد کے پیش امام اہلسنّت کے مشہور عالم شیخ عمر طائی تھے۔ میں نے انہیں دیکھ کر بڑے ادب سے سلام کیا لیکن شیخ ابتداء لحہ ہی سے مجھ سے مشکوک ہوا اور میرے حسب نسب اور گزشتہ زندگی کے بارے میں مجھ سے سوالات کرنے لگا۔ میرا خیال ہے کہ میرے چہرے اور لہجہ نے اسے شک میں ڈال دیا تھا لیکن میں نے بڑی ترکیب سے اپنے آپ کو اس کی گرفت سے بچالیا اور شیخ کے جواب میں کہا، میں ترکی میں واقع 'آغدیر' کا رہنے والا ہوں اور مجھے قسطنطنیہ کے شیخ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ میں نے وہاں خالد بڑھئی کے پاس بھی کام کیا ہے۔

مختصر یہ کہ ترکی میں مَیں نے جو کچھ سیکھا تھا وہ سب اس سے بیان کیا۔ میں نے دیکھا کہ شیخ حاضرین میں سے کسی کو آنکھ کے ذریعے اشارہ کررہا ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ جاننا چاہتا ہے کہ مجھے ترکی آتی بھی ہے کہ نہیں۔ اس شخص نے آنکھوں سے حامی بھرلی۔ میں دل میں بہت خوش ہوا کہ میں نے کسی حد تک شیخ کا دل جیت لیا ہے لیکن کچھ دیر کے بعد مجھے اپنی غلط فہمی کا احساس ہوا اور میں نے محسوس کیا کہ شیخ کا شبہ ابھی اپنی جگہ باقی ہے اور وہ مجھے عثمانیوں کا جاسوس سمجھتا ہے۔ مشہور تھا کہ شیخ بصرہ کے گورنر کا سخت مخالف تھا جسے عثمانیوں نے متعین کیا تھا۔

بہرحال میرے پاس اسکے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں شیخ کی مسجد سے اس علاقے کے ایک غریب مسافرخانہ میں منتقل ہوجاؤں۔ میں نے وہاں ایک کمرہ کرائے پر لیا۔ مسافرخانہ کا مالک ایک احمق آدمی تھا جو ہر صبح سویرے مسافروں کو پریشان کیا کرتا تھا اور مجھے نماز کیلئے جگاتا تھا اور پھر سورج نکلنے تک قرآن پڑھنے پر مجبور کرتا تھا۔ جب میں اس سے کہتا کہ قرآن پڑھنا واجب نہیں ہے پھر کیوں تمہیں اس امر میں اتنا اصرار ہے؟ تو وہ کہتا ہے کہ طلوعِ آفتاب سے قبل کی نیند فقر اور بدبختی لاتی ہے اور اسطرح مسافرخانہ کے تمام مقیم بدبختی کا شکار ہوجائیں گے۔ مجھے اس کی بات ماننی پڑی کیونکہ وہ مجھے وہاں سے نکالے جانے کی دھمکی دیتا تھا۔ ہر روز صبح میں نماز کیلئے اٹھتا تھا اور پھر ایک گھنٹہ یا اس سے بھی زیادہ وقت تک قرآن کی تلاوت کرتا تھا۔

میری مشکل یہیں ختم نہیں ہوئی۔ ایک دن مسافرخانے کے مالک مرشد آفندی نے آکر کہا، جب سے تم نے اس مسافرخانے میں رہائش اختیار کی ہے مصیبتوں نے میرا گھر دیکھ لیا ہے اور اس کی وجہ تم اور تمہاری لائی ہوئی نحوست ہے اس لئے کہ تم نے ابھی تک شادی نہیں کی ہے اور کسی کو اپنا شریکِ حیات نہیں بنایا ہے تمہیں یا شادی کرنی ہوگی یا پھر یہاں سے جانا ہوگا۔

میں نے کہا، آفندی! میں شادی کیلئے سرمایہ کہاں سے لاؤں؟ اس دفعہ میں نے اپنے آپ کو شادی کے ناقابل ظاہر کرنے سے احتراز کیا کیونکہ میں جانتا تھا کہ مرشد آفندی ٹوہ لگائے بغیر میری بات پر یقین کرنے والا آدمی نہیں تھا۔

مرشد آفندی نے جواب دیا، او نام کے ضعیف الاعتقاد مسلمان! کیا تم نے قرآن کا مطالعہ نہیں کیا جہاں اللہ کریم فرماتا ہے:

'وہ لوگ جو فقر میں مبتلا ہیں خداوند انہیں اپنی بزرگی سے مالامال کردے گا'۔

میں حیران تھا کہ اس ناسمجھ انسان سے کس طرح پیچھا چھڑاؤں۔ آخرکار میں نے اس سے کہا، آپ کا ارشاد بجا ہے لیکن میں رقم کے بغیر شادی کیسے کرسکتا ہوں؟ کیا آپ ضروری اخراجات کیلئے مجھے کچھ رقم قرض دے سکتے ہیں کیونکہ اسلام میں حق مہر ادا کئے بغیر کوئی عورت کسی کے عقد میں نہیں آسکتی۔

آفندی کچھ دیر سوچ میں پڑ گیا اور پھر قرض کی بات کرنے کی بجائے اچانک سر بلند کیا اور اونچی آواز میں چیخا، مجھے کچھ معلوم نہیں یا تمہیں شادی کرنی ہوگی یا پھر رجب کی پہلی تاریخ تک کمرہ چھوڑنا ہوگا۔ اس دن جمادی الثانی کی پانچویں تاریخ تھی اور صرف پچیس دن میرے پاس تھے۔

اسلامی مہینوں کے ناموں کے بارے میں بھی یہاں کچھ تذکرہ نامناسب نہ ہوگا۔

(۱) محرم (۲) صفر (۳) ربیع الاوّل (٤) ربیع الثانی (٥) جمادی الاوّل (٦) جمادی الثانی

(۷) رجب (۸) شعبان (۹) رمضان (۱۰) شوال (۱۱) ذوالقعد (۱۲) ذوالحجہ

ہر مہینہ چاند کے آغاز سے شروع ہوتا ہے اور تیس دن سے اوپر نہیں جاتا لیکن کبھی کبھی چاند ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ مسافر خانہ کے مالک کی سخت گیری کے سبب مجھے وہ جگہ چھوڑنا پڑی۔ میں نے یہاں بھی ایک ترکھان کی دکان پر اس شرط کے ساتھ نوکری کر لی کہ وہ مجھے رہنے اور کھانے کی سہولت فراہم کرے گا اور اس کے عوض مزدوری کم دے گا۔ میں رجب سے پہلے ہی نئی جگہ منتقل ہو گیا اور ترکھان کی دکان پر پہنچا۔ ترکھان عبدالرضا نہایت شریف اور محترم شخص تھا اور مجھ سے اپنے بیٹوں جیسا سلوک کرتا تھا۔

عبدالرضا ایرانی الاصل شیعہ تھا اور خراسان کا رہنے والا تھا۔ میں نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس سے فارسی سیکھنا شروع کی۔ دوپہر کے وقت اس کے پاس بصرہ میں مقیم ایرانی جمع ہوتے تھے جو سب کے سب شیعہ تھے۔ وہاں بیٹھ کر ادھر ادھر کی گفتگو ہوتی تھی۔ کبھی سیاست اور معیشت عنوان کلام ہوتا تھا اور کبھی عثمانی حکومت کو برا بھلا کہا جاتا تھا۔ خاص طور پر سلطنت وقت اور استنبول میں مقرر ہونے والا خلیفۂ مسلمین ان کی تنقید کا نشانہ ہوتا لیکن جونہی کوئی اجنبی گاہک دکان میں آتا وہ سب کے سب خاموش ہو جاتے اور ذاتی دلچسپی کے متعلق غیر اہم باتیں ہونے لگتیں۔

مجھے معلوم نہیں کہ میں کیونکر ان کیلئے قابل اعتماد تھا اور وہ میرے سامنے ہر قسم کی گفتگو جائز سمجھتے تھے۔ یہ بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی کہ انہوں نے مجھے آذربائیجان کا رہنے والا خیال کیا تھا کیونکہ ترکی میں بات چیت کرتا تھا اور آذربائیجانیوں کی طرح میرا چہرہ سرخ و سفید تھا۔

ان دنوں میں ترکھان کا کام کرتا تھا میری ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی جو وہاں آتا جاتا رہتا تھا اور ترکی، فارسی اور عربی زبانوں میں گفتگو کرتا تھا۔ وہ دینی طالب علموں کا لباس پہنتا تھا۔ اس کا نام محمد عبدالوہاب تھا۔ وہ ایک اونچا اُڑنے والا، ایک جاہ طلب اور نہایت غصیلا انسان تھا۔ اسے عثمانی حکومت سے سخت نفرت تھی اور وہ ہمیشہ اس کی برائی کرتا تھا لیکن حکومت ایران سے اس کو کوئی سروکار نہیں تھا۔ ترکھان عبدالرضا سے اس کی دوستی کی وجہ مشترک یہ تھی کہ وہ دونوں ہی عثمانی سلطنت کو اپنا سخت ترین دشمن سمجھتے تھے لیکن میرے علم میں یہ بات نہ آسکی کہ اس نے عبدالرضا ترکھان سے کس طرح دوستی بڑھائی تھی جبکہ یہ سنی اور وہ شیعہ تھا۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم ہوسکا کہ اس نے فارسی کہاں سے سیکھی تھی؟ البتہ بصرہ میں شیعہ سنی مسلمان ایک ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ ان کے روابط دوستانہ تھے اور وہاں فارسی اور عربی دونوں زبانیں بولی جاتی تھیں تاہم ترکی سمجھنے والوں کی تعداد بھی وہاں کچھ کم نہ تھی۔

محمد عبدالوہاب ایک آزاد خیال آدمی تھا۔ اس کا ذہن شیعہ سنی تعصبات سے بالکل پاک تھا حالانکہ وہاں بیشتر سنی حضرات شیعوں کے خلاف تھے اور بعض سنی مفتی شیعوں کی تکفیر بھی کرتے تھے۔ شیخ محمد کے نزدیک حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی مکاتب فکر میں سے کسی مکتبہ فکر کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی۔ وہ کہتا تھا کہ خدا نے جو کچھ قرآن میں کہہ دیا ہے بس وہی ہمارے لئے کافی ہے۔

ان چار مکاتب فکر کی داستان کچھ یوں ہے کہ حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے سو سال بعد عالم اسلام میں بلند پایہ علماء کا ظہور عمل میں آیا جن میں سے چار افراد ابوحنیفہ، احمد بن حنبل، مالک بن انس اور محمد بن ادریس شافعی اہل سنت کی پیشوائی کے مقام تک پہنچے۔ عباسی خلفاء کا زمانہ تھا اور ان عباسی خلفاء نے مسلمانوں پر دباؤ ڈال رکھا تھا کہ وہ مذکورہ چار افراد کے علاوہ کسی کی تقلید نہ کریں اگرچہ کوئی قرآن وسنت میں ان سے بڑھ کر دسترس کیوں نہ رکھتا ہو۔ عباسی خلیفہ نے ان کے علاوہ کسی متبحر اور اعلیٰ پایہ عالم کو ان کے مقابل میں اُبھرنے نہیں دیا اور اس طرح درحقیقت انہوں نے علم کے دروازے کو بند کردیا اور یہ بات اہل سنت والجماعت کے فکری جمود کا باعث بنی۔ اس کے برعکس شیعہ حضرات نے اہل سنت کی اس جمودی کیفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے عقائد ونظریات کو وسیع پیمانے پر منتشر کرنا شروع کیا اور دوسری صدی ہجری کے آغاز میں باوجود اس کے کہ شیعہ آبادی اہل سنت کے مقابل میں دس فیصد تھی ان کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہونے لگا اور وہ اہل سنت کے ہم پایہ ہوگئے اور یہ ایک فطری امر تھا کیونکہ شیعہ حضرات کے پاس اجتہاد کا دروازہ کھلا تھا اور یہ بات مسلمانوں کی تازگی فکر، اسلامی فقہ کی پیش رفت اور نئی روشنی میں قرآن وسنت کے فہم کا باعث بنی اور اسی نے اسلام کو نئے زمانوں کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔ اجتہاد ہی وہ بڑا وسیلہ تھا جو فکری جمود سے نبرد آزما رہا اور اس کے ذریعے اسلام نے جلاء پائی اور فکروں میں مقید کرنا، مسلمانوں کیلئے جستجو اور تلاش کے راستوں کو بند کرنا اور نئی بات سے ان کی سماعت کو روکنا اور وقت کے تقاضوں سے انہیں بے توجہ رکھنا دراصل وہ پوشیدہ اسلحہ تھا

تمہید

کسی بھی قوم کے اسلاف اس کی پہچان ہوتے ہیں لیکن آج مسلمان اپنے اسلاف کو بھول کر ایسے راستے پر چل نکلے ہیں جو گمراہی اور اندھیروں کی طرف جاتا ہے اور اس روش نے مسلمانوں کو باطل صیہونی طاقتوں کے ذریعے ذلیل وخوار کرنا شروع کر دیا ہے۔ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ جب مسلمان اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں سرشار تھے، اسلاف کی تقلید ان کا شیوہ تھا لیکن پھر فرنگی سازشوں نے ان کے گرد ایسا جال بن دیا جس نے ان کے دلوں سے ان کے محبوب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت نکالنے کی کوشش کی کیونکہ باطل مغربی قوتوں کو اس بات کا اچھی طرح اندازہ تھا کہ جب تک مسلمانوں کے دلوں سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ختم نہیں کی جاتی وہ دنیا اور دلوں کو فتح کرتے رہیں گے۔ لہٰذا دلوں سے محبتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ختم کرنے کیلئے انہوں نے کبھی نجد سے فتنہ کھڑا کیا اور کبھی مرزا غلام احمد قادیانی کی شکل میں قادیانیت کا فتنہ کھڑا کیا۔ ان تمام فتنوں کے پیچھے ان کا ایک ہی مقصد نظر آتا ہے کہ مسلمانوں کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور تعلیمات سے دور کر دیا جائے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے بھی اس سازش سے اُمتِ مسلمہ کو ان الفاظ میں خبردار کیا تھا کہ

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا ۔۔۔ روحِ محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کر فرنگی تخیلات ۔۔۔ اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

لہٰذا آج بھی اگر مسلمان متحد ہو جائیں اور عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پیغام لے کر اُٹھیں تو دنیا کی کوئی طاقت ان پر حکومت نہیں کر سکتی۔ 'ہمفرے کے اعترافات' شائع کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ سادہ لوح مسلمان 'فرنگی ذہنیت' سے آگاہ ہو جائیں اور خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر اپنی بقاء کیلئے جدوجہد کریں۔ (والسلام الی یوم القیام)

ہمفرے نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ مدتوں حکومتِ برطانیہ اپنی عظیم اور مستحکم نوآبادیوں کے بارے میں فکر مند رہی اور اس کی سلطنت کی حدود نے اتنی وسعت اختیار کی کہ اب وہاں سورج بھی غروب نہیں ہوتا تھا لیکن ہندوستان، چین اور مشرق وسطیٰ کے ممالک اور دیگر بے شمار نوآبادیوں کے ہوتے ہوئے بھی جزیرۂ برطانیہ بہت چھوٹا دکھائی دیتا تھا۔ حکومتِ برطانیہ کی سامراجی پالیسی بھی ہر ملک میں یکساں نوعیت کی نہیں ہے۔ بعض ممالک میں عنانِ حکومت ظاہراً وہاں کے لوگوں کے ہاتھ میں ہے لیکن درپردہ پورا سامراجی نظام کارفرما ہے اور اب اس میں کوئی کسر باقی نہیں ہے کہ وہ ممالک اپنی ظاہری آزادی کھو کر برطانیہ کی گود میں چلے آئیں۔ اب ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے نوآبادیاتی نظام پر نظرثانی کریں اور خاص طور سے دو باتوں پر لازمی توجہ دیں:۔

۱......ایسی تدابیر اختیار کریں جو سلطنت انگلستان کی نوآبادیوں میں اس کے عمل دخل اور قبضے کو مستحکم کریں۔

۲......ایسے پروگرام مرتب کریں جن سے ان علاقوں پر ہمارا اثر ورسوخ قائم ہو جو ابھی ہمارے نوآبادیاتی نظام کا شکار نہیں ہوئے۔

جس نے مسلمانوں کی پیش رفت روک دی۔ ظاہر ہے جب دشمن کے ہاتھ میں نیا اسلحہ ہو اور آپ پرانے زنگ آلود اسلحہ سے اس کا مقابلہ کریں گے تو یقیناً جلد یا بدیر آپ کو ہزیمت اُٹھانا پڑے گی۔ میں پیشن گوئی سے کام لیتے ہوئے یہ کہوں گا کہ اہل سنت کے صاحبانِ عقل افراد بہت جلد ہی مسلمانوں پر اجتہاد کا دروازہ کھول دیں گے اور یہ کام میرے اندازے کے مطابق اگلی صدی تک روبہ عمل آئے گا اور سو سال بعد مسلمانوں میں اجتہاد کے حامی شیعوں کی اکثریت ہوگی اور اہلسنت اقلیت میں رہ جائیں گے۔

اب میں شیخ محمد عبدالوہاب کے بارے میں عرض کروں یہ شیخ قرآن وحدیث کا اچھا مطالعہ رکھتا تھا اور اپنے افکار کی حمایت میں بزرگانِ اسلام کے اقوال اور آراء کو بطور سند پیش کرتا تھا لیکن کبھی کبھی اس کی فکر مشاہر علماء کے خلاف ہوتی تھی۔ وہ بات بات پر کہتا، پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف کتاب اور سنت کو نا قابل تغیر اصول بنا کر ہمارے لئے پیش کیا اور کبھی یہ نہیں کہا کہ صحابہ کرام اور ائمہ دین کے فرمودات اٹل اور وحی منزل ہیں۔ پس ہم پر واجب ہے کہ ہم صرف کتاب وسنت کی پیروی کریں۔ علماء ائمہ اربعہ حتیٰ کہ صحابہ کرام کی رائے خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو ہمیں ان کے اتفاق اختلاف پر اپنے دین کو استوار نہیں کرنا چاہیے۔

ایک دن اس کی ایران سے آنے والے ایک عالم سے کھانے کے دستر خوان پر جھڑپ ہوگئی۔ اس عالم کا نام شیخ جواد قمی تھا اور اسے عبدالرضا تر کھان نے اپنے پاس مہمان بلایا تھا۔ شیخ جواد قمی کے محمد بن عبدالوہاب سے اصولی اختلافات تھے اور ان کی گفتگو نے جلد ہی تلخی اور ترشی کا رنگ اختیار کر لیا۔ مجھے ان کے درمیان ہونے والی تمام گفتگو تو یاد نہیں البتہ جو حصے مجھے یاد ہیں، میں ان کو یہاں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

شیخ قمی نے ان جملوں سے اپنی گفتگو کا آغاز کیا اور محمد بن عبدالوہاب سے کہا، اگر تم ایک آزاد خیال انسان ہو اپنے دعوے کے مطابق اسلام کا کافی مطالعہ کر چکے ہو تو پھر کیا وجہ ہے کہ تم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہ فضیلت نہیں دیتے جو شیعہ دیتے ہیں؟

محمد نے جواب دیا، اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر افراد کی طرح ان کی باتیں بھی میرے لئے حجت نہیں ہیں۔ میں صرف کتاب وسنت کو مانتا ہوں۔

قمی...... اچھا اگر تم سنت کے عامل ہو تو کیا پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ نہیں کہا تھا، میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ (انا مدینة العلم و علی بابها) اور کیا یہ کہہ کر پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علی اور صحابہ کے درمیان فرق قائم نہیں کیا؟

محمد...... اگر ایسا ہے تو پھر پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ کہنا چاہئے تھا کہ میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب اور ایک علی بن ابی طالب۔

قمی...... بے شک یہ بات بھی پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے مقام پر کہی ہے کہ میں نے تمہارے درمیان کتاب اور اہل بیت کو چھوڑا ہے۔ (انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اهل البیتی) بے شک علی اہل بیت کے سر برآوردہ افراد میں سے ہیں۔

محمد نے اس حدیث کو جھٹلایا لیکن شیخ قمی نے اصول کافی کے اسناد کی بنیاد پر پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس حدیث کو درست ثابت کیا اور محمد کو خاموش ہونا پڑا۔ اب اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اچانک اس پر شیخ نے اعتراض ٹھونکا، پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے لئے صرف کتاب اور اپنے اہل بیت کو باقی رکھا ہے تو پھر سنت کہاں گئی؟

قمی نے جواب دیا، سنت اسی کتاب کی تفسیر وتشریح کا نام ہے اور اس کے علاوہ وہ کچھ بھی نہیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ کی کتاب اور میرے اہل بیت یعنی کتابِ خدا اور اس تشریح وتفسیر کے ساتھ جو سنت کہلاتی ہے اور اس کے بعد سنت کی تکرار کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

محمد نے کہا، اگر آپکے دعوے کے مطابق عترت یا اہل بیت ہی کلام الٰہی کی تفسیر ہیں تو پھر کیوں متن حدیث میں اس کا اضافہ ہوا ہے؟

قمی نے جواب دیا، جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اُمتِ محمدی کو قرآن سمجھانے والے کی اشد ضرورت تھی کیونکہ قوم اپنی زندگی کو احکام الٰہی پر منطبق کرنا چاہتی تھی اس لئے پیغمبر کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے غیبی علم کی بنیاد پر کتابِ الٰہی کو اصل ثابت اور عترت کو مفسر وشارح کتاب بنا کر اُمت کے حوالے کیا۔

حیرانی کے ساتھ ساتھ مجھے ان کی گفتگو سے بڑا مزا آرہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ محمد بن عبدالوہاب اس ضعیف العمر شیخ جواد قمی کے آگے ایسی چڑیا کی مانند پھڑپھڑا رہا تھا جسے قفس میں بند کردیا گیا ہو اور اس کے پرواز کی راہ مسدود ہوگئی ہو۔

محمد بن عبدالوہاب سے میل جول اور ملاقاتوں کے ایک سلسلے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ برطانوی حکومت کے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کیلئے یہ شخص بہت مناسب دکھائی دیتا ہے۔ اس کی اونچا اُڑنے کی خواہش، جاہ طلبی، غرور، علماء ومشائخ اسلام سے اس کی دشمنی، اس حد تک خود سری کہ خلفائے راشدین بھی اس کی تنقید کا نشانہ بنیں اور حقیقت کے سراسر خلاف قرآن وحدیث سے استفادہ اس کی کمزوریاں تھیں جس سے بڑی آسانی سے فائدہ اُٹھایا جاسکتا تھا۔

میں نے سوچا کہاں یہ مغرور نوجوان اور کہاں استنبول کا وہ ترک بوڑھا آدمی (احمد آفندی) جس کے افکار وکردار گویا ہزار سال پہلے کے افراد کی تصویر کشی کرتے تھے۔ اس نے اپنے اندر ذرا بھی تبدیلی پیدا نہیں کی تھی۔ حنفی مذہب سے تعلق رکھنے والا وہ بوڑھا شخص ابوحنیفہ کا نام زبان پر لانے سے پہلے اُٹھ کر وضو کرتا تھا یا مثلاً صحیح بخاری کے مطالعہ کو اپنا فرض سمجھتا تھا جو اہل سنت کے نزدیک حدیثوں کی نہایت معتبر اور مستند کتاب ہے اور وہاں بھی وہ وضو کیے بغیر کتاب کو نہیں چھوتا تھا اور اس کے برعکس شیخ محمد عبدالوہاب ابوحنیفہ کی تحقیر کرتا تھا اور اسے ناقابل اعتبار سمجھتا تھا۔

محمد کہتا تھا، میں ابوحنیفہ سے زیادہ جانتا ہوں۔ اس کا دعویٰ تھا کہ نصف صحیح بخاری بالکل لچر اور بے ہودہ ہے۔

بہر صورت میں نے عبدالوہاب سے بہت گہرے مراسم قائم کر لئے اور ہماری دوستی میں نا قابل جدائی استحکام پیدا ہو گیا۔ میں بار باراس کے کانوں میں یہ رس گھولتا تھا کہ خدا نے تمہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہیں زیادہ صاحب استعداد بنایا ہے اور تمہیں بڑی فضیلت اور بزرگی بخشی ہے۔ اگر تم جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتے تو یقیناً ان کی جانشینی کا شرف تمہیں ہی ملتا۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

میں ہمیشہ پر اُمید لہجے میں اس سے کہتا، میں چاہتا ہوں کہ اسلام میں جس انقلاب کو رونما ہونا ہے وہ تمہارے ہی مبارک ہاتھوں سے انجام پذیر ہو اس لئے کہ صرف تم ہی وہ شخصیت ہو جو اسلام کو زوال سے بچا سکتے ہو اور اس سلسلے میں سب کی اُمیدیں تم سے وابستہ ہیں۔

میں نے عبدالوہاب کے ساتھ طے کیا ہم دونوں بیٹھ کر علماء مفسرین، پیشوایان دین و مذہب اور صحابہ کرام سے ہٹ کر نئے افکار کی بنیاد پر قرآن مجید پر گفتگو کریں۔ ہم قرآن پڑھتے اور آیات کے بارے میں اظہار خیال کرتے تھے۔ میرا لائحہ عمل یہ تھا کہ میں کسی طرح اسے انگریز نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کے دام میں پھنسا دوں۔

میں نے آہستہ آہستہ اس اونچی اُڑان والے خود پرست انسان کو اپنی گفتگو کی لپیٹ میں لینا شروع کیا یہاں تک کہ اس نے حقیقت سے کچھ زیادہ ہی آزاد بننے کی کوشش کی۔

ایک دن میں نے اس سے پوچھا، کیا جہاد واجب ہے؟ اس نے کہا کیوں نہیں۔ خداوند عالم فرماتا ہے، کافروں سے جہاد کرو۔

میں نے کہا، خداوند عالم فرماتا ہے، کافروں اور منافقوں دونوں سے جنگ کرو اور اگر کافروں اور منافقوں سے جنگ واجب ہے تو پھر پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منافقوں سے کیوں جنگ نہیں کی؟

محمد بن عبدالوہاب نے جواب دیا، جہاد صرف میدانِ جنگ ہی میں نہیں ہوتا۔ پیغمبر خدا نے اپنی رفتار و گفتار کے ذریعے منافقوں سے جنگ کی ہے۔

میں نے کہا، پھر اس صوت میں کفار کے ساتھ جنگ بھی رفتار و گفتار کے ساتھ واجب ہے۔

اس نے جواب دیا نہیں! اس لئے کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنگ کے میدان میں ان کے ساتھ جہاد کیا ہے۔

میں نے کہا، کفار کے ساتھ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جنگ اپنے دفاع کیلئے تھی کیونکہ وہ ان کی جان کے دشمن تھے۔

محمد بن عبدالوہاب نے اثبات میں اپنا سر ہلایا اور میں نے محسوس کیا کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہوں۔

ایک اور دن میں نے اس سے کہا، کیا عورتوں سے متعہ جائز ہے؟

اس نے کہا، ہرگز نہیں!

میں نے کہا، پھر کیوں قرآن نے اسے جائز قرار دیتے ہوئے کہا ہے؟ ' اور جب تم ان سے متعہ کرو تو ان کا حق مہر ادا کرو'۔

اس نے کہا، ہاں یہ آیت تو اپنی جگہ ٹھیک ہے مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے حرام قرار دیا کہ متعہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں حلال تھا، میں اسے حرام قرار دیتا ہوں اور اب جو اس کا مرتکب ہوگا میں اسے سزا دوں گا۔

میں نے کہا، بڑی عجیب بات ہے! تم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی کرتے ہو اور پھر اپنے آپ کو اس سے زیادہ صاحب عقل بھی کہتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ حلال محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حرام کریں۔ تم نے قرآن کو بھلا کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو تسلیم کر لیا؟

محمد بن عبدالوہاب نے چپ سادھ لی اور خاموشی اس کی رضامندی کی دلیل تھی۔ اس موضوع پر اس کے خیالات درست کر کے میں نے اس کے 'حیوانی خیالات' کو ابھارنا شروع کر دیا۔ وہ ایک غیر متاہل شخص تھا۔ میں نے اس سے پوچھا، متعہ کے ذریعے اپنی زندگی پر مسرت بنانا چاہتے ہو؟

محمد بن عبدالوہاب نے رضا اور رغبت کی علامت سے اپنا سر جھکا لیا۔

میں اپنے فرائض کے انتہائی اہم موڑ پر پہنچ چکا تھا۔ میں نے اس سے وعدہ کیا کہ میں بہرحال تمہارے لئے اس کا انتظام کر دوں گا مجھے صرف اس بات کا خدشہ تھا کہ کہیں محمد بن عبدالوہاب بصرہ کے ان سنیوں سے خوفزدہ نہ ہو جائے جو اس بات کے مخالف تھے۔ میں نے اسے اطمینان دلایا کہ ہمارا پروگرام بالکل مخفی رہے گا یہاں تک کہ عورت کو بھی تمہارا نام نہیں بتایا جائیگا۔ اس گفتگو کے بعد میں اس بدقماش نصرانی عورت کے پاس گیا جو انگلستان کے نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کی طرف سے بصرہ میں عصمت فروشی پر معمور تھی اور مسلم نوجوانوں کو بے راہ روی پر ابھارتی تھی۔ میں نے اس سے تمام واقعات بیان کئے۔ جب وہ راضی ہوگئی تو میں نے اس کا عارضی نام 'صفیہ' رکھا اور کہا کہ میں شیخ کو لے کر اس کے پاس آؤں گا۔

مقررہ دن میں شیخ محمد عبدالوہاب کو لے کر صفیہ کے گھر پہنچا۔ ہم دونوں کے سوا وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ محمد بن عبدالوہاب نے ایک اشرفی مہر پر ایک ہفتہ کیلئے صفیہ سے عقد کیا۔ مختصر یہ کہ میں باہر اور صفیہ اندر سے محمد بن عبدالوہاب کو آئندہ کے پروگراموں کیلئے تیار کر رہی تھے۔ صفیہ نے احکام دین کی پامالی اور آزادی رائے کا پرکیف مزہ محمد بن عبدالوہاب کو چکھا دیا تھا۔

میں اس تقریب کے تیسرے دن پھر محمد عبدالوہاب سے ملا اور ہم نے ایک بار پھر اپنی گفتگو کا سلسلہ شروع کیا۔ اس بار شراب کی حرمت زیر بحث تھی۔ میری کوشش تھی کہ میں ان آیات کو رد کروں جو محمد عبدالوہاب کے نزدیک حرمت شراب پر دلیل تھیں۔

میں نے اس سے کہا، اگر معاویہ، خلفائے بنوامیہ اور بنی عباس کی شراب نوشی ہمارے نزدیک مسلم ہو تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ یہ تمام پیشوایان دین و مذہب گمراہی کی زندگی بسر کرتے ہوں اور تنہا تم سچے راستے پر ہو؟ بے شک وہ لوگ کتاب الٰہی اور سنت رسول کو ہم سے زیادہ بہتر جانتے تھے۔ پس یہ بات سامنے آتی ہے کہ ارشادات خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان بزرگوں نے جو استنباط کیا تھا وہ شراب کی حرمت نہیں بلکہ اس کی کراہت تھی۔ اس کے علاوہ یہود و نصاریٰ کی مقدس کتابوں میں صراحت سے شراب پینے کی اجازت ہے حالانکہ یہ بھی الٰہی ادیان ہیں اور اسلام ان ادیان کے پیغمبروں کا معتقد ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ شراب اللہ کے بھیجے ہوئے ایک دین میں حلال اور دوسرے میں حرام ہو؟

کیا یہ سب ادیان برحق یا خدائے یکتا کے بھیجے ہوئے نہیں ہیں؟

ہمارے پاس تو یہ بھی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت تک شراب پیتے رہے جب تک یہ آیت نازل نہیں ہوئی:

"کیا تم شراب اور جوئے سے دستبردار نہیں ہو گے"۔

اسی لئے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شراب نوشی پر حد جاری فرماتے مگر آپ کا ان پر حد جاری نہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ شراب حرام نہیں ہے۔

محمد بن عبدالوہاب جو بڑے غور سے میری گفتگو سن رہا تھا اچانک سنبھلا اور کہا، روایات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شراب میں پانی ملا کر پیتے تھے تاکہ اس کی وہ کیفیت دور ہو جائے جو نشہ پیدا کرتی ہے۔ وہ کہتے تھے شراب کی مستی حرام ہے نہ کہ شراب، وہ شراب جس سے نشہ طاری نہ ہو، وہ حرام نہیں ہے۔

﴿ اب یہ امام الوہابیہ پوری طرح ہمفرے کے جال میں پھنس چکا ہے، اس لئے اس کی تائید کر رہا ہے۔ (مترجم) ﴾

محمد بن عبدالوہاب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس نظریہ کو اس آیت کی روشنی میں جانتا تھا جس میں ارشاد ہوتا ہے، شیطان چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے کے ذریعے عداوت اور دشمنی پیدا کر دے اور تمہیں یاد خداوند اور نماز سے باز رکھے۔

اگر شراب میں مستی اور نشہ نہ ہو تو پینے والے پر اس کے اثرات مرتب نہیں ہوں گے اور اسی لئے وہ شراب جس میں مستی نہیں حرام نہیں ہے۔

میں نے محمد بن عبدالوہاب کے ساتھ شراب سے متعلق گفتگو کو صفیہ کے گوش گزار کیا اور اس کو تاکید کی موقع ملتے ہی محمد بن عبدالوہاب کو نشہ میں چور کردو اور جتنا ہوسکے شراب پلاؤ۔

دوسرے دن صفیہ نے مجھے اطلاع دی کہ اس نے شیخ کے ساتھ جی کھول کر شراب نوشی کی یہاں تک کہ وہ آپے سے باہر ہوگیا اور چیخنے چلانے لگا۔ رات کی آخری گھڑی میں کئی مرتبہ اس نے مقاربت کی اور اب اس پر نقاہت کا عالم طاری ہے اور چہرے کی آب وتاب ختم ہوچکی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ میں اور صفیہ پوری طرح محمد بن عبدالوہاب پر چھا چکے تھے۔ اس منزل پر مجھے نوآبادیاتی علاقوں کے وزیر کی سنہری بات یاد آئی جو اس نے مجھے الوداع کرتے ہوئے کہی تھی۔ اس نے کہا تھا، ہم نے اسپین کو کفار (مراد اہل اسلام ہیں) سے شراب اور جوئے کے ذریعے دوبارہ حاصل کیا۔ اب انہیں دو طاقتوں کے ذریعے دوسرے علاقوں کو بھی پامردی کے ساتھ واپس لینا ہے۔

محمد بن عبدالوہاب کے ساتھ مذہبی گفتگو کے دوران ایک دن میں نے روزہ کے مسئلہ کو ہوا دی اور کہا۔ قرآن کہتا ہے، 'روزہ تمہارے لئے بہتر ہے'۔ اس نے یہ نہیں کہا کہ تم پر واجب ہے۔ لہٰذا اسلام میں روزہ واجب نہیں مستحب ہے۔ (ہمفرے کے اس واضح غلط بیان پر عبدالوہاب نجدی اس سے ناراض ہوجاتا ہے)۔

اس موقع پر عبدالوہاب کو غصہ آیا اور اس نے کہا، تم مجھے دین سے خارج کرنا چاہتے ہو؟

میں نے کہا، اے محمد عبدالوہاب! دین قلب کی پاکی، جان کی سلامتی اور اعتدال کا نام ہے۔ یہ کیفیات انسان کو دوسروں پر ظلم وتریادتی سے روکتی ہیں۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ 'مذہب عشق ووارفتگی کا نام ہے'۔ کیا قرآن یہ نہیں کہتا، 'یقین حاصل کرنے تک اللہ کی عبادت کرو'۔ اب اگر انسان یقین کامل کی منزل پر پہنچ جائے، خدا اور روزِ قیامت اس کے دل میں راسخ ہوجائیں، ایمان سے اس کا دل لبریز ہوجائے اور وہ اچھے سلوک کا حامل ہو تو پھر روزہ کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟ اس منزل میں وہ اعلیٰ ترین انسانی مراتب سے وابستہ ہوجاتا ہے۔

محمد بن عبدالوہاب نے اس مرتبہ میری شدید مخالفت کی اور اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔

ایک دفعہ میں نے محمد بن عبدالوہاب نجدی سے کہا، نماز واجب نہیں؟

اس نے پوچھا، کیوں؟

میں نے کہا، اس لئے کہ خداوند عالم نے قرآن میں کہا ہے کہ 'مجھے یاد کرنے کیلئے نماز قائم کرو'۔ پس نماز کا مقصد ذکرِ الٰہی ہے اور تمہیں چاہئے کہ تم اس کا نام اپنی زبان پر جاری رکھو۔

محمد بن عبدالوہاب نے کہا، ہاں میں نے سنا ہے کہ بعض علمائے دین نماز کے وقت اللہ کے نام کی تکرار شروع کرتے ہیں اور نماز ادا نہیں کرتے۔

میں محمد بن عبدالوہاب کے اس اعتراف سے بہت خوش ہوا مگر احتیاطاً کچھ دیر میں نے اسے نماز پڑھنے کی تلقین بھی کی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس سے پابندی چھوٹ گئی۔ اب وہ کبھی نماز پڑھتا اور کبھی نہ پڑھتا۔ خاص طور سے صبح کی نماز غالباً اس نے ترک ہی کر دی تھی ہم لوگ رات کو دیر تک جاگتے جس کی وجہ سے صبح اٹھنے اور وضو کرنے کی ہمت اس میں باقی نہیں رہتی تھی۔

قصہ مختصر! آہستہ آہستہ محمد بن عبدالوہاب کے بدن سے ایمان کا لبادہ اُتارنے میں کامیاب ہو گیا۔ میں ہر روز اس سے اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتا۔ انجام کار ایک دن میں نے گفتگو کی حدود کو جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس تک آگے بڑھایا۔ اچانک اس کے چہرے پر تبدیلی آئی اور وہ اس موضوع پر گفتگو کیلئے تیار نہ ہوا۔ اس نے مجھ سے کہا، اگر تم نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تو ہماری تمہاری دوستی کے دروازے یہیں سے ہمیشہ کیلئے بند ہو جائیں گے۔

میں نے اپنی محنتوں پر پانی پھرتے دیکھا تو فوراً اپنا موضوع گفتگو بدل دیا اور پھر اس موضوع پر گفتگو نہیں کی۔

اس دن کے بعد سے میرا مقصد محمد بن عبدالوہاب کو رہبری اور پیشوائی کی فکر دینا ہو گیا۔ مجھے اس کے قلب و روح میں اُتر کر شیعہ سنی فرقوں کے علاوہ اسلام میں ایک تیسرے فرقے کی سربراہی کی پیشکش کو اس کیلئے قابل عمل بنانا تھا۔ اس مقصد کے حصول کیلئے ضروری تھا کہ پہلے میں اسکے ذہن کو بے جا محبتوں اور اندھے تعصبات سے پاک کر دوں اور اس عنوان سے اس کی آزاد خیالی اور بلند پروازی کو تقویت پہنچاؤں۔ اس کام میں صفیہ بھی میری مددگار تھی کیونکہ محمد بن عبدالوہاب اسے دیوانوں کی طرح چاہتا تھا اور ہر ہفتہ متعہ کی مدت کو بڑھاتا تھا۔ مختصر یہ کہ صفیہ نے محمد بن عبدالوہاب سے صبر و قرار اور اس کے تمام اختیارات چھین لئے تھے۔

میں نے اپنی ایک ملاقات میں محمد بن عبدالوہاب سے کہا، کیا یہ دُرست ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام اصحاب سے دوستی تھی؟

اس نے جواب دیا، ہاں!

میں نے پوچھا، اسلام کے قوانین دائمی ہیں یا وقتی؟

اس نے کہا، بے شک دائمی ہیں۔ اس لئے کہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ 'حلالِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت تک حلال ہیں اور حرام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت تک حرام ہے'۔ میں نے بلا تاخیر کہا، ہمیں بھی ان کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ایک دوسرے کا دوست اور بھائی ہونا چاہئے۔

اس نے میری پیشکش کو قبول کیا اور اس دن کے بعد سے تمام سفر و حضر میں ہم ایک دوسرے کے ساتھ رہنے لگے۔ میں اس کوشش میں تھا کہ جس پودے کو سینچنے میں مَیں نے اپنی جوانی کے دن صَرف کیے ہیں اب جتنی جلدی ممکن ہوسکے اس کے پھلوں سے استفادہ کروں۔

حسبِ معمول میں ہر مہینے کی رپورٹ انگلستان میں نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کو بھیجتا رہا۔ رپورٹ لکھنا اب میری عادت میں شامل ہوگیا تھا جس میں کبھی میں کوتاہی نہیں کرتا تھا۔ وہاں سے جو جوابات لکھے جاتے تھے وہ تمام کے تمام بڑے حوصلہ افزا اور پرامید ہوا کرتے تھے اور اپنے فرائض کی انجام دہی میں میری ہمت بڑھاتے تھے۔ میں اور محمد بن عبدالوہاب نے جس راستے کا تعین کیا تھا ہم اسے بڑی تیزی سے طے کر رہے تھے۔ میں سفر و حضر میں کبھی اس کو تنہا نہیں چھوڑتا تھا۔ میری کوشش تھی کہ میں آزاد خیالی اور مذہبی عقائد میں جدت پسندی کی روح کو اس کے وجود میں استحکام بخشوں۔ میں ہمیشہ اس کو یہ آس دلاتا رہتا تھا کہ ایک تابناک مستقبل ہمارے انتظار میں ہے۔

ایک دن میں نے اس سے اپنا ایک جھوٹا خواب بیان کیا اور کہا، رات میں نے جناب خاتمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بالکل اسی سراپا کے ساتھ کرسی پر بیٹھے دیکھا جیسے ذاکرین اور واعظین منبروں پر بیان کرتے رہتے ہیں۔ بڑے بڑے علماء اور بزرگانِ دین نے جن سے میری کوئی واقفیت نہیں تھی چاروں طرف سے ان کو گھیر رکھا تھا۔ ایسے میں میں نے دیکھا کہ اچانک تم اس مجمع میں داخل ہوگئے۔ تمہارے چہرے سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ جب تم رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پہنچے تو انہوں نے کھڑے ہوکر تمہاری تعظیم کی اور ماتھا چوما اور کہا، اے میرے ہمنام محمد بن عبدالوہاب! تم میرے علم کے وارث اور مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی امور کو سنوارنے میں میرے جانشین ہو۔

یہ سن کر تم نے کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! لوگوں پر اپنے علم کو ظاہر کرتے ہوئے مجھے خوف محسوس ہوتا ہے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، خوف کو اپنے دل میں جگہ نہ دو کیونکہ جو کچھ تم اپنے بارے میں سوچتے ہو اس سے کہیں زیادہ صاحب مرتبہ ہو۔

محمد بن عبدالوہاب نے میرے اس من گھڑت خواب کو سنا تو خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ وہ مجھ سے بار بار پوچھتا کہ کیا تمہارے خواب سچے ہوتے ہیں؟ اور میں مسلسل اطمینان دلاتا رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ خواب کے تذکرے کے ساتھ ہی اس نے اپنے دل میں نئے مذہب کے اعلان کا مصمم ارادہ کرلیا ہے۔

اسی دوران مجھے لندن سے خط پہنچا کہ میں فوراً کربلا اور نجف کے مقدس شہروں کی طرف روانہ ہو جاؤں جو شیعوں کیلئے قبلۂ آرزو اور علم و روحانیت کے مراکز ہیں۔ اب سب سے پہلے میں مقدمہ کے طور پر ان دونوں مقدس شہروں کا ایک نہایت مختصر منظر پیش کرنا چاہتا ہوں۔

اہل تشیع کے پہلے امام اور عامۃ المسلمین کے چوتھے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدفین شہر نجف کی اہمیت کا سرلوحہ آغاز ہے اور یہیں سے اس بستی کا وجود عمل میں آتا ہے اور یہ روز بروز پھیلتی چلی جاتی ہے اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے وقت مرکز خلافت یعنی کوفہ سے نجف کا فاصلہ چھ کلو میٹر تھا جسے پیدل ایک گھنٹے میں طے کیا جا سکتا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد جناب حسنین علیہم السلام آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازے کو پوشیدہ طور پر اس دور افتادہ علاقہ میں لائے جسے آج نجف کہا جاتا ہے اور رات کی تاریکی میں آپ کو دفن کردیا۔ اب یہ شہر بین النہرین کا سب سے بڑا علاقہ کہلاتا ہے اور اس کی آبادی کوفہ سے کہیں زیادہ ہے۔ اس جگہ اہل تشیع کا حوزۂ علمیہ قائم ہے اور دنیا بھر کے علماء نے اس شہر میں بسیرا اختیار کیا ہے۔ ہر سال اسکے بازاروں، مدرسوں اور گھروں میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ شیعہ علماء خصوصی احترام کے حامل ہیں۔ استنبول میں مقیم عثمانی خلیفہ مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔

☆ ایران کا بادشاہ شیعہ مذہب کا پیروکار تھا اور علمائے نجف کی نسبت عثمانی سلاطین کا احترام ایران اور ترکی کے دوستانہ روابط میں استحکام کا باعث تھا اور اس طرح دونوں ممالک میں جنگ کا کھٹکا ختم ہو جاتا تھا۔

☆ نجف کے اطراف واکناف میں بہت سے قبائل آباد تھے جو سب کے سب مسلح اور سختی سے شیعہ مراجع کے پیروکار تھے۔ ان کے پاس فوجی اسلحہ اور فوجی تربیت نہیں تھی۔ یہ لوگ قبائلی زندگی کے عادی تھے لیکن علماء کی توہین برداشت نہیں کر سکتے تھے لہٰذا اگر عثمانیوں کی طرف علماء کی بے احترامی عمل میں آتی تو وہ سب کے سب عثمانیوں کے خلاف متحد ہو جاتے اور یہ کوئی عقلمندی کی بات نہ تھی کہ استنبول کی خلافت ایسا خطرہ اپنے لئے مول لیتی۔

☆ ساری دنیائے تشیع میں شیعہ علماء کی مرجعیت قائم تھی لہٰذا اگر عثمانیوں کی طرف سے ذرہ برابر بھی ان کی اہانت ہوتی تو ایران، ہندوستان، افریقہ کے تمام ممالک کے شیعہ برافروختہ ہوتے اور یہ بات ترک حکومت کے حق میں نہ تھی۔

اہل تشیع کا دوسرا مقدس شہر کربلائے معلیٰ ہے۔ یہ شہر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فرزند حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد آج تک مسلسل پھیل رہا ہے۔ عراق کے لوگوں نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعوت دی کہ آپ تشریف لائیں لیکن جونہی آپ اپنے خاندان کے ساتھ کربلا معلیٰ پہنچے جو کوفہ تقریباً 72 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے عراق کے لوگوں کا مزاج بدل گیا اور وہ یزید کے حکم پر امام کے خلاف لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔

یزید بن معاویہ اموی خلیفہ تھا جس کی شام پر حکومت تھی۔ اموی لشکر، حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے گھرانے سے برسرپیکار رہا آخرکار ان سب کو شہید کر دیا گیا۔ عراقیوں کی یہ بزدلی اور یزیدی لشکر کی پلیدی اور سنگدلی اسلامی تاریخ کی سب سے زیادہ شرمناک داستان ہے۔ اس واقعے کے بعد آج تک دنیا کے تمام شیعہ کربلا کو زیارت، عبادت، روحانی لگاؤ اور توجہ کا مرکز بنائے ہوئے ہیں اور ہر طرف سے جوق در جوق وہاں پہنچتے ہیں۔ کبھی اتنا مجمع ہوتا ہے کہ تاریخ مسیحیت میں بھی کبھی ایسا اجتماع دیکھنے میں نہیں آیا۔ کربلا کے شہر میں بھی شیعہ علماء اور مراجع دین اسلام کی تعلیم و ترویج میں ہمیشہ مصروف نظر آتے ہیں۔ یہاں کے دینی مدرسے طالب علموں سے بھرے رہتے ہیں۔ کربلا اور نجف بالکل ایک دوسرے کے مماثل ہیں۔ دجلہ و فرات عراق کے دو بڑے دریا ہیں جن کا سرچشمہ ترکی کا ایک کوہستانی علاقہ ہے۔ بین النہرین کی کھیتیاں اسی کے دم سے آباد ہیں اور یہاں کے لوگوں کی خوشحالی انہیں دریاؤں کی مرہونِ منت ہے۔

انگلستان کی نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت نے مذکورہ پروگراموں کو رو بہ عمل لانے کیلئے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ وہ نو آبادیاتی یا نیم آبادیاتی علاقوں میں جاسوسی اور حصول اطلاعات کیلئے وفود روانہ کرے۔ میں نے نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت میں ملازمت کے شروع ہی سے حسن کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ خاص طور پر 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کے امور کی جانچ پڑتال کے سلسلے میں اچھی کارکردگی نے مجھے وزارت میں ایک اچھے عہدے پر فائز کیا۔ یہ کمپنی بظاہر تجارتی نوعیت کی تھی مگر درحقیقت جاسوسی کا اڈہ تھا اور اس کے قیام کا مقصد ہندوستان میں ان صورتوں یا ان راستوں کی تلاش تھی جن کے ذریعے سرزمین پر مکمل طور پر برطانیہ کا اثر و نفوذ قائم ہو سکے اور مشرق وسطیٰ پر اس کی گرفت مضبوط کی جا سکے۔

ان دنوں انگلستان کی حکومت ہندوستان سے بڑی مطمئن اور بے فکر تھی کیونکہ قومی، قبائلی اور ثقافتی اختلافات مشرق وسطیٰ کے رہنے والوں کو اس بات کی فرصت ہی کہاں رہنے دیتے تھے کہ وہ انگلستان کے جائزہ اثر و رسوخ کے خلاف کوئی شور برپا کر سکیں۔ یہی حال چین کی سرزمین کا بھی تھا۔ بدھ اور کنفیوشس جیسے مردہ مذہب کے پیروکاروں کی طرف سے بھی انگریزوں کو کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا اور ہندوچین میں کثرت سے باہمی اختلافات کے پیش نظر یہ بات بعید از قیاس تھی کہ وہاں کے رہنے والوں کو اپنی آزادی اور استقلال کی فکر ہو۔ یہی وہ ایک موضوع تھا جو کبھی ان کیلئے قابل توجہ نہیں رہا۔ تاہم یہ سوچنا بھی غیر دانشمندی ہے کہ آئندہ کے پیش نظر انقلابات بھی ان قوموں کو اپنی طرف متوجہ نہیں کرینگے۔ پس یہ بات سامنے آئی کہ ایسی تدابیر اختیار کی جائیں جن سے ان قوموں میں بیداری کی صلاحیت مفقود ہو جائے۔ یہ تدابیر طویل المیعاد پروگراموں کی صورت میں ان سرزمینوں پر جاری ہوئے جو تمام کے تمام افتراق، جہالت، بیماری اور غربت کی بنیاد پر استوار تھے۔ ہم نے ان علاقوں کے لوگوں پر ان مصیبتوں اور بدبختیوں کو وارد کرتے ہوئے بدھ مت کی اس ضرب المثل کو اپنایا جس میں کہا گیا ہے، بیمار کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دو بالآخر وہ دوا پوری کڑواہٹ کے باوجود پسند کرنے لگے گا۔

ہم نے باوجود اس کے کہ اپنے دوسرے بیمار یعنی سلطنتِ عثمانی سے کئی قراردادوں پر اپنے فائدہ میں دستخط کروا لئے تھے تاہم نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت کے ماہرین کا کہنا تھا کہ ایک صدی کے اندر ہی اس سلطنت کا پلہ بیٹھ سکتا ہے۔ ہم نے اسی طرح ایران سے مختلف قراردادوں پر دستخط لئے۔ ہمارے جاسوس اسلامی ممالک میں عثمانیوں اور اسی طرح ایرانیوں کے زیر اثر سرگرم عمل رہے اور باوجود اس کے کہ انہوں نے انگریزی حکومت کے مقاصد میں نمایاں کامیابی حاصل کیں اور دفتروں کے نظام کو بگاڑ کر رشوت ستانی عام کردی، بادشاہوں کیلئے عیش و عشرت کے سامان مہیا فراہم کئے اور اس طرح ان حکومتوں کی بنیادوں کو کسی حد تک پہلے سے زیادہ متزلزل کیا تاہم عثمانی اور ایرانی سلطنتوں کی کمزوری کو سامنے رکھتے ہوئے بھی ذیل میں بیان کی جانے والی بعض وجوہات کی بناء پر ہم اپنے حق میں کچھ زیادہ مطمئن نہیں تھے اور وہ اہم ترین وجوہات یہ تھیں:۔

جب میں لندن واپس گیا تو میں نے نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کو یہ پیشکش کی کہ وہ حکومت عراق کو اپنا فرمانبردار بنانے کیلئے دجلہ وفرات کے سنگم کو کنٹرول کرے اور شورش اور بغاوت کے موقعوں پر اس کے راستے کو تبدیل کرے تاکہ وہاں سے لوگ انگریز کے استعماری مقاصد کو ماننے پر مجبور ہوجائیں۔

میں ایک بربری سوداگر کے بھیس میں نجف پہنچا اور وہاں کے شیعہ علماء سے رسم وراہ بڑھانے کیلئے ان کی درسی مجلسوں اور مباحثہ کی محفلوں میں شرکت کرنے لگا۔ محفلیں بیشتر اوقات مجھے اپنے اندر جذب کر لیتی تھیں کیونکہ ان میں قلب وضمیر کی پاکی حکم فرما تھی۔ میں نے شیعہ علماء کو انتہائی پاک دامن اور پرہیزگار پایا۔ لیکن افسوس کہ ان میں زمانے کی تبدیلی کے اثرات کا فقدان تھا اور دنیا کے انقلابات نے ان کی فکر میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی تھی۔

☆ نجف کے علماء اور مراجع عثمانی حکام کے شدید مخالف تھے اس لئے نہیں کہ وہ سنی تھے بلکہ اس لئے کہ وہ ظالم تھے اور عوام ان سے ناخوش تھی اور اپنی نجات کیلئے ان کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔

☆ وہ لوگ اپنا تمام وقت درس وتدریس اور دینی علوم ومباحث پر صرف کرتے تھے اور قرون وسطیٰ کے پادریوں کی طرح انہیں جدید علوم سے دلچسپی نہیں تھی اور اگر کچھ جانتے بھی تھے تو وہ ان کیلئے نہ جاننے کے برابر تھا۔

☆ انہیں دنیا کے سیاسی واقعات کا قطعاً علم نہ تھا اور اس قسم کے مسائل پر سوچنا ان کے نزدیک بالکل عبث اور بیہودہ تھا۔ انہیں دیکھ کر میں آپ ہی آپ کہتا تھا، واقعی یہ لوگ کتنے بدبخت ہیں۔ دنیا جاگ چکی ہے مگر یہ ابھی خواب خرگوش ہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ شاید کوئی تباہ موج فوج ہی ان کو اس خواب گراں سے بیدار کرے۔ میں نے بعض علماء سے خلافتِ عثمانیہ کے خلاف تحریک چلانے پر گفتگو کی لیکن انہوں نے اپنی طرف سے کوئی ردِّعمل ظاہر نہیں کیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ لوگ اس قسم کے مسائل سے دلچسپی نہیں رکھتے۔ بعض لوگ میرا مذاق اُڑاتے تھے اور میری بات کا یہ مفہوم نکالتے تھے کہ میں دنیا کے حالات کو دگرگوں اور نظام عالم کو برہم کرنا چاہتا ہوں۔ ان علماء کی نظر میں خلافت مقدر ومحتوم تھی۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ انہیں ظہور مہدی موعود سے پہلے آل عثمان کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرنا چاہئے۔ مہدی موعود شیعوں کے بارہویں امام ہیں جو بچپن ہی میں پردۂ غیب میں چلے گئے ہیں اور ابھی تک زندہ ہیں۔ آخری زمانے میں ان کا ظہور ہوگا اور اس وقت دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جب وہ مکمل طور پر ظلم وزیادتی سے بھر چکی ہوگی۔

میں اس طرح کا عقیدہ رکھنے والے اسلامی دانشمندوں کے بارے میں سخت حیران تھا۔ ان کا عقیدہ بعینہٖ قشری عیسائیوں کا عقیدہ تھا جو قیام عدل کیلئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بازگشت کے قائل تھے۔ میں نے ایک عالم سے پوچھا، کیا آپ کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ ابھی ظلم وزیادتی کے خلاف رزم آراء ہو کر دنیا میں اسلام کا بول بالا کیا جائے؟ بالکل اسی طرح جس طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ظالموں کے خلاف جہاد کیا تھا؟

انہوں نے کہا، پیغمبر اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدا نے اسی کام کیلئے مامور کیا تھا اور اسی لئے ان میں اس کام کو انجام دینے کی توانائی تھی۔

میں نے کہا، کیا قرآن یہ نہیں کہتا: ان تنصروا اللہ ینصرکم (محمد: ۷) اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ بھی تمہارا مددگار رہو گا۔ لہٰذا تم بھی اللہ کی طرف سے ظالموں کے خلاف تلوار اٹھانے پر مامور ہو۔

آخرکار زچ ہو کر اس نے کہا، تم ایک تجارت پیشہ آدمی ہو اور ان موضوعات پر گفتگو کیلئے ایک سلسلۂ علم کی ضرورت ہے جس کیلئے تم مناسب نہیں ہو۔

اب ذرا نجف کی طرف آئیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ کے بارے میں گفتگو کریں۔ بڑی پرشکوہ اور باعظمت آرام گاہ ہے۔ پوری عمارت صناعی، نقاشی، آئینہ کاری اور مختلف سجاوٹوں کا بے مثال شاہکار ہے۔ اطراف مزار بڑے بڑے پرشکوہ کمرے، طلائی ناب کا عظیم گنبد اور سونے کے دو مینار ایک عجیب منظر پیش کرتے ہیں۔ شیعہ حضرات ہر روز گروہ در گروہ روضہ کی زیارت کیلئے حاضر ہوتے ہیں اور وہاں کی نمازِ جماعت میں شرکت کرتے ہیں۔ وہ لوگ بڑے والہانہ انداز میں اخلاص وارادت کا مجسمہ بن کر ضریح کو بوسہ دیتے ہیں۔ داخلہ سے پہلے عاشقانِ امام دروازے پر خود کو گرا دیتے ہیں اور بڑے احترام سے بارگاہ کی زمین کو چومتے ہیں۔ پھر امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر درود بھیجتے ہیں اور اذنِ دخول پڑھ کر حرم میں داخل ہو جاتے ہیں۔ حرم کے چاروں طرف ایک عظیم الشان صحن ہے جس میں بہت سے کمرے بنے ہوئے ہیں جو علمائے دین اور زائرین حرم کی اقامت گاہ ہیں۔

کربلائے معلیٰ میں دو مشہور آرام گاہیں ہیں جو تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ نجف میں واقع حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آرام گاہ کے طرز پر بنائی گئی ہیں۔ پہلی آرام گاہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسری حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے۔ کربلا کے زائرین بھی نجف کی طرح روزانہ حرم میں حاضری دیتے ہیں اور امام کی زیارت کرتے ہیں۔ کربلا مجموعی طور پر نجف سے زیادہ خوش منظر ہے۔ چاروں طرف ہرے بھرے خوشنما باغات اور ان کے درمیان دریا کے بہتے پانی نے اس کی خوبصورتی میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔

ان شہروں کی ویرانی اور آشفتہ حالی نے ہماری کامیابی کے مواقع فراہم کر رکھے تھے۔ لوگوں کی حالتِ زار دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ عثمانی حکام نے ان شہروں کے رہنے والوں کے ساتھ کن کن جرائم کا ارتکاب کیا اور کیسی کیسی زیادتیاں کیں۔ یہ لوگ بڑے نادان، لالچی اور خود سر تھے اور جو چاہتے تھے کر گزرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عراق کے لوگ ان کے زرخرید غلام ہیں۔ پوری قوم حکومت سے نالاں تھی اور جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ شیعہ حضرات اپنی آزادی چھن جانے کے باوجود حکام کے ظلم وستم کو صبر وسکون کے ساتھ سہہ رہے تھے اور کوئی ردِّعمل ظاہر نہیں کر رہے تھے۔ اہل سنت حضرات کا بھی یہی حال تھا۔ وہ لوگ اپنی سرزمین پر ترک گورنر کے تسلط سے بہت ناخوش تھے خاص طور پر جبکہ ان کی رگوں میں عرب اشرافیت کا خون دوڑ رہا تھا۔ ادھر خاندانِ رسالت سے وابستگی رکھنے والے افراد حکومتی انتظامات میں اپنے آپ کو عثمانی گورنر سے زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔

تمام بستیاں ویران تھیں۔ گرد وغبار بستی والوں کا مقدر بن چکا تھا۔ ہر طرف بدنظمی کا دور دورہ تھا۔ راستوں پر لٹیرے قابض تھے اور اس تاک میں بیٹھے رہتے تھے کہ حکومت کی سرپرستی سے آزاد کوئی قافلہ وہاں سے گزرے اور وہ انہیں لوٹنا شروع کر دیں لہٰذا بڑے بڑے قافلے صرف اسی وقت منزلِ مقصود تک پہنچ سکتے تھے جب انہیں مسلح آدمیوں کے ذریعے حکومت کی حمایت حاصل ہو دوسری طرف قبائلی جھڑپوں میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ کوئی دن ایسا نہ تھا جس میں ایک قبیلہ دوسرے قبیلے پر حملہ آور نہ ہو اور قتل وغارت گری کا بازار گرم نہ ہوتا ہو۔ روزانہ کئی افراد موت کے گھاٹ اتر جاتے تھے۔ نادانی اور بے علمی نے پورے عراق کو عجیب طرح اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ یہ واقعات قرونِ وسطیٰ میں پادریوں کے دور کی یاد تازہ کر رہے تھے۔ صرف نجف اور کربلا کے علماء اس سے مستثنیٰ تھے یا پھر کسی قدر طالب علم یا وہ لوگ جس کا ان علماء سے میل جول تھا ورنہ سب کے سب جاہل تھے۔ ملکی اقتصاد کا پہیہ جام ہو گیا تھا اور بیماری، بیروزگاری، جہالت اور بدبختیوں نے شدت سے متوسط لوگوں کا گھر دیکھ لیا تھا۔ مملکت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ ہر طرف ایک ہنگامہ بپا تھا، حکومت اور عوام کے درمیان مفاہمت کی کمی تھی اور وہ ایک دوسرے کو اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ ان کا ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہیں تھا۔ علمائے دین، الٰہی مسائل میں اس طرح غرق تھے کہ دنیا کی زندگی ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ زمین خشک اور کھیتیاں اجاڑ تھیں۔ دجلہ وفرات کے دونوں دریا کھیتوں کو سیراب کرنے کی بجائے ایک آشفتہ سر مہمان کی طرح پیاسی زمین کے بیچ سے بسرعت گزر رہے تھے۔ ملک کی یہ آشفتہ حالی یقیناً ایک انقلاب کا پیش خیمہ تھی۔

مختصر یہ کہ میں نے کربلا اور نجف میں چار مہینے گزارے۔ نجف میں میں ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہوا کہ جینے کی آس ٹوٹ گئی۔ تین ہفتے تک میری حالت بہت بری ہو گئی۔ آخرکار مجھے شہر کے ایک ڈاکٹر سے رجوع کرنا پڑا۔ اس نے میرے لئے کچھ دوائیں تجویز کیں جن کے استعمال سے میں بتدریج بہتر ہوتا چلا گیا۔ اس سال گرمی بھی بڑی شدید اور ناقابل برداشت تھی اور میں نے اپنی بیماری کا تمام وقت ایک تہہ خانے میں گزارا جو کسی قدر پرسکون اور ٹھنڈا تھا۔

میرا مالک مکان میرے دیئے ہوئے مختصر پیسے سے میرے لئے دوا دارو اور کھانے پینے کا انتظام کرتا تھا۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زواروں کی خدمت کو تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتا تھا۔ بیماری کے ابتدائی دنوں میں میری غذا مرغ کا سوپ تھا لیکن بعد میں ڈاکٹر کی اجازت سے میں نے گوشت اور چاول بھی استعمال کرنا شروع کیا۔ بیماری سے کسی قدر افاقہ کے بعد میں بغداد روانہ ہوا اور وہاں جا کر میں نے کربلا، نجف، دجلہ اور بغداد سے متعلق اپنے مشاہدات کو تقریباً سو صفحات پر مشتمل ایک رپورٹ میں نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کیلئے رقم کیا اور لندن بھیجنے کیلئے اسے بغداد میں مذکورہ وزارت کے نمائندہ کے سپرد کیا اور اپنے رُکنے یا لندن واپس جانے سے متعلق نئے احکامات کے انتظار میں بیٹھا رہا۔

یہاں یہ بات بھی بتاتا چلوں کہ میں واپسی کیلئے بہت بے چین تھا کیونکہ اپنے دیس، خاندان اور عزیز و اقارب سے چھوٹے مجھے ایک عرصہ ہو چکا تھا۔ خاص طور پر رہ رہ کر راسپوٹین کا خیال آرہا تھا جو میری عراق روانگی کے کچھ عرصے بعد ہی اس دنیا میں وارد ہوا تھا۔ اس نومولود کی یاد مجھے بہت بے چین کر رہی تھی۔ اسی باعث میں نے ایک درخواست میں ایک مختصر عرصے کیلئے واپس لندن آنے کی اجازت چاہی تھی۔ مجھے عراق میں تین سال کا عرصہ ہو چکا تھا۔ بغداد میں نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کے نمائندہ کا اصرار تھا کہ میں بار بار اسی کے پاس نہ جاؤں کیونکہ اس طرح ممکن ہے لوگ مجھے شک کی نگاہ سے دیکھنے لگیں اور اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے دجلہ کے قریب ایک مسافر خانے کو اپنا ٹھکانہ بنایا۔ نوآبادیاتی علاقہ کی وزارت کے نمائندہ نے کہا کہ لندن سے جواب آتے ہی مجھے باخبر کر دیا جائے گا۔

بغداد میں اقامت کے دوران میں نے اس شہر کا عام حالتوں میں عثمانی حکومت کے پایہ تخت "قسطنطنیہ" سے موازانہ کیا تو مجھے ان دونوں میں نمایاں فرق محسوس ہوا جو عربوں کی نسبت عثمانیوں کی دشمنی اور بدنیتی کا غماز تھا۔ انہوں نے عراقی شہروں اور عراقی آبادیوں کو حفظانِ صحت کے اصولوں کے برخلاف غلاظت اور گندگی کا مسکن بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

بصرہ سے کربلا اور نجف پہنچنے کے چند ماہ بعد مجھے شیخ محمد عبدالوہاب نجدی کا خیال آیا۔ میں اس کی طرف سے بڑا فکر مند تھا۔ میں نے اس پر بڑی محنت کی تھی لیکن مجھے اس پر بھروسہ نہیں تھا کیونکہ وہ متلون مزاج واقع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ غصے کا بھی بڑا تیز تھا اور ذرا ذرا سی بات پر آپے سے باہر ہو جایا کرتا تھا۔ ان خصوصیات کے پیش نظر مجھے دھڑکا تھا کہ کہیں میری محنت اکارت نہ جائے اور جس خواہش کو میں ایک عرصے سے اپنے سینے میں لئے پھر رہا تھا اس پر پانی نہ پھر جائے۔

جس دن میں بصرہ کی سمت روانہ ہو رہا تھا وہ ترکی جانے پر بضد تھا کہ وہاں جا کر اس شہر کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ میں نے بڑی سختی سے اسے اس سفر سے باز رکھا اور کہا مجھے ڈر ہے کہ تم وہاں جا کر کوئی ایسی اُلٹی سیدھی بات نہ کر بیٹھو جس سے تم پر کفر و الحاد کا الزام عائد ہو اور تمہارا خون رائیگاں جائے لیکن سچی بات یہ تھی کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہاں جا کر وہ بعض علمائے اہلسنّت سے کوئی رابطہ قائم کرے کیونکہ اس میں اس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں وہ لوگ اپنی محکم دلیلوں کے ذریعے دوبارہ اسے اپنے جال میں نہ پھانس لیں اور میرے تمام منصوبے دھرے کے دھرے رہ جائیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ ان دونوں شہروں کے رہنے والے شیعہ مذہب کے پیروکار ہیں اور یہ بات بعید از قیاس تھی کہ شیخ ان کے عقائد سے متاثر ہو۔ مجھے اس بارے میں پورا اطمینان تھا کیونکہ میں شیخ کو اچھی طرح جانتا تھا۔

رخصت کرتے ہوئے میں نے اس سے پوچھا، تقیہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا، درست ہے کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صحابی عمارؓ ان مشرکین کے ڈر سے جنھوں نے ان کے ماں باپ کو قتل کر دیا تھا اپنے آپ کو مشرک ظاہر کرتے رہے اور ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جناب عمار یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روش کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔

میں نے اس سے کہا، پس تم پر بھی واجب ہے کہ ایران جا کر تقیہ کو نہ بھولو اور اپنے آپ کو خالص شیعہ ظاہر کرو تاکہ اعتراضات سے بچو اور علماء کی صحبت بھی تمہیں حاصل رہے اور ساتھ ہی ساتھ ایرانیوں کے آداب و رسوم بھی تم پر کھل جائیں کیونکہ آئندہ چل کر یہ معلومات تمہارے بہت کام آئیں گی اور تمہیں اپنے مقاصد میں بڑی کامیابی عطا کریں گی۔

اس گفتگو کے بعد میں نے اسے کچھ رقم 'زکوٰۃ' کے عنوان سے دی۔ زکوٰۃ ایک طرح کا اسلامی ٹیکس ہے جسے سرمایہ داروں سے وصول کیا جاتا ہے تاکہ اس آمدنی کو اُمت کی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جائے۔ جاتے ہوئے میں نے راستے میں اسے ایک گھوڑا خرید کر دیا کیونکہ اسے اس کی سخت ضرورت تھی اور پھر میں اس سے الگ ہو گیا اور اس دن سے اب تک اس کی کوئی خبر نہیں ہے اور نہیں معلوم کہ اس پر کیا بیتی ہوگی۔ مجھے زیادہ تشویش اس لئے بھی تھی کہ ہم نے بصرہ سے نکلتے وقت یہ طے کیا تھا کہ ہمیں واپس بصرہ ہی پہنچنا ہے اور اگر ہم میں سے کوئی وہاں نہ پہنچ سکے تو اپنی کیفیت 'عبدالرضا ترکھان' کو لکھ بھیجے تاکہ دوسرا اس سے باخبر ہو مگر ابھی تک اس کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔

کچھ عرصہ انتظار کے بعد بالآخر نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت سے ضروری احکامات بغداد پہنچے اور میری حکومت نے مجھے فوری طور پر طلب کیا۔ لندن پہنچتے ہی نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کے سیکرٹری اور اعلیٰ عہدیداروں کے ساتھ ہم نے ایک کمیشن تشکیل دیا۔ میں نے اس جلسے میں اپنے فرائض، اقدامات اور مطالعات پر مبنی رپورٹ کو لندن حکام کے سامنے پیش کیا اور انہیں بین النہرین کی کیفیت سے بھی آگاہ کیا۔

عراق سے متعلق میری فراہم کردہ معلومات اور میری کارگزاریوں نے سب کے دل جیت لئے تھے۔ پہلے بھی عراق سے میں نے کئی رپورٹیں ان کیلئے روانہ کیں تھیں اور ان سب سے وہ مطمئن تھے۔ ادھر صفیہ نے بھی ایک رپورٹ بھیجی تھی جو پوری طرح میری رپورٹ کی تائید کرتی تھی۔ اس کے علاوہ مجھے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ وزارت خانہ نے میری نگرانی کیلئے کچھ مخصوص افراد میرے پیچھے لگا رکھے تھے جو سفر و حضر میں مجھ پر نگاہ رکھتے تھے۔ ان افراد نے بھی اپنی رپورٹوں میں میرے طرزِ عمل اور دلچسپی سے رضائیت کا اظہار کیا تھا اور ان رپورٹوں کی تصدیق کی تھی جو میں نے لندن بھیجی تھیں۔ اس مرتبہ کلی طور پر میدان میرے ہاتھ میں تھا اور سب مجھ سے خوش تھے۔ یہاں تک کہ اس دور کے سیکرٹری نے وزیر سے میری ملاقات کیلئے وقت لیا اور میں اس کے ساتھ وزیر سے ملنے گیا۔ مجھے دیکھتے ہی وزیر کے چہرے پر ایک گونہ شگفتگی آگئی اور بڑے پرتپاک انداز میں خوش آمدید کہتے ہوئے اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ یہ ملاقات گزشتہ کی بے جان ملاقاتوں سے یکسر مختلف تھی جو اس بات کو ظاہر کرتی تھی کہ میں نے اس کے دل میں اپنے لئے جگہ پیدا کرلی ہے۔

وزیر خاص طور پر میری اس مہارت کا معترف تھا جس کی بنیاد پر میں نے شیخ محمد عبدالوہاب کو اپنے قبضے میں کرلیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس نے اپنی گفتگو کے دوران مجھ سے کہا تھا، محمد بن عبدالوہاب پر تسلط نوآبادیاتی وزارت کا سب سے بڑا اہم مسئلہ ہے۔ اس نے بڑی شدت سے یہ تاکید کی تھی کہ میں محمد بن عبدالوہاب کو ایک منظم منصوبے کے تحت ان امور سے آگاہ کروں جنہیں آئندہ چل کر اسے ہمارے لئے انجام دینا ہے۔ وہ بار بار اس بات کا اعتراف کر رہا تھا کہ عظیم برطانیہ کیلئے میری تمام خدمات شیخ محمد بن عبدالوہاب جیسے شخص کی جستجو اور اس پر اپنا اثر و نفوذ قائم کرنے کے مقابلے میں پاسنگ بھی نہیں۔ نوآبادیاتی علاقوں کے وزیر کو جب یہ معلوم ہوا کہ میں محمد بن عبدالوہاب کی گمشدگی کے بارے میں بڑا پریشان ہوں تو اس نے نہایت اطمینان سے جواب دیا، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم نے جو کچھ شیخ کو پڑھایا تھا وہ ابھی تک اسے یاد ہے اور ہمارے آدمی اصفہان میں اس سے رابطہ قائم رکھے ہوئے ہیں انکی رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ابھی تک اپنی ڈگر پر قائم ہے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا، شیخ نے اپنے اس غرور و نخوت کے ساتھ انگریز جاسوس کو کیونکر اجازت دی ہوگی کہ وہ اس بات کے بارے میں معلومات فراہم کرسکیں۔ اس موضوع پر وزیر سے بات چیت کرتے ہوئے مجھے خوف محسوس ہوا کہ کہیں وہ برا نہ

مان جائے۔ بعد میں شیخ سے دوبارہ ملاقات پر مجھے سب کچھ معلوم ہو گیا اور اس نے تمام ماجرہ کہہ سنایا۔ اس نے بتایا کہ اصفہان میں اس کی دوستی عبدالکریم نامی ایک شخص سے ہوئی جو اپنے آپ کو اہل قلم ظاہر کرتا تھا اور اس نے شیخ پر اپنا سکہ بٹھا کر اس کے تمام راز معلوم کر لئے تھے۔ اس کیساتھ ہی صفیہ بھی کچھ عرصے بعد اصفہان آئی اور اس نے مزید دو مہینے کیلئے شیخ سے متعہ کیا۔ شیراز کے سفر میں وہ اس کے ساتھ نہیں تھی بلکہ عبدالکریم نے اسے اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ شیراز میں عبدالکریم نے شیخ کیلئے صفیہ سے بھی زیادہ خوبصورت لڑکی کا انتظام کیا تھا اور وہ شیراز کے ایک یہودی خاندان کی حسین وجمیل لڑکی تھی جس کا نام آسیہ تھا۔ عبدالکریم اصفہان کے ایک مادر پدر آزاد عیسائی کا ایک فرضی نام تھا اور وہ بھی آسیہ کی طرح ایران میں برطانیہ کے نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کا ایک قدیم ملازم تھا۔

مختصر یہ کہ عبدالکریم، صفیہ، آسیہ اور میں نے مل کر اپنی رات دن کی کوششوں سے شیخ محمد بن عبدالوہاب کو نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کی خواہشات کے عین مطابق ڈھالا اور آئندہ کی پلاننگ کو روبہ عمل لانے کی ذمہ داری اٹھانے پر آمادہ کیا۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابل ذکر ہے کہ وزیر سے ملاقات کے موقع پر سیکرٹری کے علاوہ وزارت کے دو اعلیٰ عہدیدار بھی وہاں موجود تھے جنہیں اسوقت تک میں نہیں جانتا تھا۔ وزیر نے اجلاس کے اختتام پر مجھ سے کہا، اب تم انگلستان کی نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کے سب سے بڑے افتخاری نشان کے حقدار ہو اور وہ اعزاز یہ ہے جسے ہماری حکومت صف اول کے جاسوس کو دیا کرتی ہے۔ واپسی پر اس نے قطعی انداز میں کہا، میں نے سیکرٹری سے کہہ دیا ہے کہ وہ تمہیں حکومت کے بعض 'پوشیدہ' اور 'رازدارانہ' مسائل سے آگاہ کرے تا کہ تم اپنی ذمہ داریوں کو زیادہ بہتر طریقے سے انجام دے سکو۔

وزیر کی خوشنودی کے سبب میری دس دن کی چھٹی منظور ہوئی اور مجھے اپنی بیوی اور ایک عدد بچے سے ملنے کا موقع ملا۔ میرا لڑکا جواب تین سال کا ہو چکا تھا، بالکل میرا ہم شکل تھا اور بعض الفاظ بڑے میٹھے انداز میں بولنے لگا تھا۔ اس نے چلنا بھی سیکھ لیا تھا۔ میں حقیقتاً اپنے دل کے ٹکڑے کو زمین پر چلتا پھرتا محسوس کرتا تھا۔ افسوس کہ خوشی کے یہ لمحات بڑی تیزی سے گزر رہے تھے۔ بیوی اور بچے کے ساتھ گزرنے والے لمحات واقعی ناقابل بیان ہیں اور زندگی کی تمام لذتیں اس کے آگے ہیچ ہیں۔ میری ایک عمر رسیدہ چچی تھی جس کی مجھ پر بچپن ہی سے نوازشات اور مہربانیاں رہی ہیں۔ میں اس سے مل کر کس قدر خوش ہوا اس کا اندازہ کسی کو نہیں ہو سکتا۔ میری اس سے یہ آخری ملاقات تھی اس لئے کہ دس دن کی چھٹیوں کے بعد جب میں تیسری مرتبہ اپنے سفر پر روانہ ہوا تو نہایت افسوس کے ساتھ مجھے اس کی موت کی اطلاع ملی۔

میری دس دن کی یہ چھٹیاں پلک جھپکتے گزر گئیں۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ زندگی کے پر مسرت لمحات ہمیشہ بڑی تیزی سے گزرتے ہیں اور مصیبت کی گھڑیاں اپنے دامن میں سالوں کا فاصلہ رکھتی ہیں۔ لندن کے پر مسرت لمحات میں میں نے اپنی نجف کی بیماری کو یاد کیا جس کا ہر لمحہ میرے لئے ایک صدی بن گیا تھا۔ میں کسی طرح بھی مصیبت کے ان ایام کو بھلا نہیں سکتا۔ خوشی کے لمحات کو اتنا دوام نہیں کہ وہ مصائب کے دنوں کی کوفت کو یادوں کے دریچوں میں نہ آنے دیں۔ دس دن کی چھٹیاں منانے کے بعد آئندہ کے لائحہ عمل سے باخبر ہونے کیلئے بادل نخواستہ وزارت خزانہ آگیا۔ سیکرٹری سے ملاقات کے موقع پر میں نے اسے ہمیشہ کی طرح خوش وخرم پایا۔ اس نے مجھ سے بڑی گرمجوشی کے ساتھ ہاتھ ملایا اور دوستانہ لہجہ میں کہا:۔

نوآبادیاتی امور کے خصوصی کمیشن کی مرضی کے مطابق وزیر نے خود مجھے یہ حکم دیا کہ میں تمہیں دو اہم رموز سے آشنا کروں۔ ان رموز سے واقفیت آئندہ کے پروگراموں میں تمہارے لئے بہت مفید ثابت ہوگی اور ان دو باتوں سے نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کے صرف چند ایک ممبران ہی باخبر ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے میرا ہاتھ تھاما اور اپنے ساتھ وزارت خانہ کے ایک کمرے میں لے گیا جہاں کچھ لوگ ایک گول میز کے اطراف میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر تعجب سے میری چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

وزیر کے ساتھ میں جس کمرے میں گیا وہاں موجود افراد کی کیفیت کچھ یوں تھی کہ۔

۱.....ہو بہو سلطنت عثمانی کا جلالت افروز پیکر جو ترکی اور انگریزی زبانوں پر بڑی مہارت سے مسلط تھا۔

۲.....قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام کی دوسری حقیقت سے قریب تصویر۔

۳.....شہنشاہ ایران کا زندہ مجسمہ۔

٤.....دربار ایران کے شیعہ عالم کی مکمل شبیہ۔

۵.....نجف میں شیعوں کے مرجع کا بے مثل سراپا۔

یہ آخری تین افراد فارسی اور انگریزی زبانوں میں گفتگو کر رہے تھے۔ سب کے نزدیک ان کے پرائیوٹ سیکرٹری ترجمان تھے جو ان کی باتوں کا نوٹ بنا کر حاضرین کیلئے اس کا ترجمہ پیش کر رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان تمام پرائیوٹ سیکرٹریوں کا کسی زمانے میں مذکورہ پانچ شخصیتوں سے بہت قریب کا رابطہ رہ چکا تھا اور ان کی مکمل رپورٹ کے تحت ان پانچ اہم شبیہ افراد کو بعینہ تمام عادات و خصائل کیساتھ ظاہری و باطنی اعتبار سے اصلی افراد کی مکمل تصویر بنایا گیا تھا۔ یہ پانچوں سوانگی اپنے فرائض اور مقام ومنصب سے بخوبی آشنا تھے۔ سیکرٹری نے آغاز سخن کرتے ہوئے کہا، ان پانچ افراد نے اصلی شخصیتوں کا بہروپ بھر رکھا ہے اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ کس طرح کی سوچ رکھتے ہیں اور آئندہ کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے۔ ہم نے استنبول، تہران اور نجف کی مکمل اطلاعات

انہیں فراہم کردی ہیں۔ اب وہ اپنی ہیئت کذائی کو حقیقت پر محمول کئے بیٹھے ہیں اور اسی احساس کے ساتھ اپنی حاصل کردہ معلومات سے ہمارے سوالات کا جواب فراہم کرتے ہیں۔ ہماری جانچ پڑتال کے مطابق ان کے ستر فیصد جوابات حقیقت کے عین مطابق یا یوں کہئے کہ اصلی شخصیتوں کے افکار سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ سیکرٹری نے اپنی گفتگو کے دوران مجھے مخاطب کر کے کہا اگر تم چاہو تو ان میں کسی کا امتحان لے سکتے ہو۔ مثال کے طور پر نجف کے شیعہ مرجع تقلید سے جو چاہو پوچھ سکتے ہو۔

میں نے کہا، بہت اچھا اور فوراً ہی کچھ سوالات پوچھ ڈالے۔

میرا پہلا سوال یہ تھا..... قبلہ وکعبہ! کیا آپ اپنے مقلدین کو اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ سنی عثمانی حکومت کی مخالفت پر کمر بستہ ہوں اور ان کے خلاف اعلانِ جنگ کریں؟

نقلی سوانگی مرجع تقلید نے کچھ دیر سوچا اور کہا، میں مطلق جنگ کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ وہ سنی مسلمان ہیں اور قرآن کی آیت کہتی ہے کہ 'تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں'۔ صرف اس صورت میں جنگ جائز ہے جب عثمانی حکمران ظلم وستم پر اتر آئیں۔ ایسے حالات میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تحت ان سے جنگ لڑی جاسکتی ہے۔ وہ بھی اس وقت تک جب آثار ظلم زائل نہ ہو جائیں اور ظالم ظلم سے باز نہ آجائے۔

میں نے پھر دوسرا سوال پوچھا..... حضور والا! یہودیوں اور عیسائیوں کی نجاست کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا یہ لوگ واقعی ناپاک ہیں؟

اس نے کہا، ہاں! یہ دونوں فرقے مسلماً نجس ہیں اور مسلمانوں کو ان سے دور رہنا چاہئے۔

میں نے پوچھا، اس کی کیا وجہ ہے؟

اس نے جواب دیا، یہ دراصل مساویانہ سلوک کا مسئلہ ہے کیونکہ وہ لوگ بھی ہمیں کافر گردانتے ہیں اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں۔

اس کے بعد میں نے پوچھا، پیغمبر اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفاء سے متعلق اتنی تاکیدات کے بعد صفائی ایمان کی علامت ہے، پھر کیوں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صحن مطہر اور تمام بازاروں میں اس قدر گندگی پھیلی رہتی ہے؟

مرجع تقلید نے جواب دیا، بے شک اسلام نے صفائی اور ستھرائی کو ایمان کی دلیل جانا ہے مگر اس کا کیا کیا جائے کہ عثمانی حکومت کے اعمال کی بے توجہی اور پانی کی قلت نے یہ صورت پیدا کی ہے۔

دلچسپ بات یہ تھی کہ اس بناوٹی مرجع تقلید کی آمادگی اور حاضر جوابی نجف کے حقیقی مرجع تقلید کے عین مطابق تھی۔ فقط عثمانی حکومت کے اعمال کی بے توجہی کی بات اس نے اپنی طرف اس میں ملائی تھی کیونکہ نجف کے عالم کی زبان سے یہ جملہ نہیں سنا گیا تھا۔ بہرحال میں اس ہم آہنگی اور مشابہت پر سخت متحیر تھا کیونکہ تمام جوابات بعینہ اصل مرجع تقلید کے بیانات تھے جسے اس نے فارسی میں پیش کیا تھا یہ نقلی مرجع بھی فارسی ہی میں گفتگو کر رہا تھا۔

سیکرٹری نے مجھ سے کہا، دیگر چار افراد سے بھی چاہو تو سوال کر سکتے ہو۔ یہ چاروں افراد بھی تمہیں اصلی شخصیتوں کی طرح جواب دیں گے۔

میں نے کہا کہ میں استنبول کے شیخ الاسلام احمد آفندی کے افکار اور بیانات سے بخوبی واقف ہوں اور اس کی باتیں میرے حافظے میں محفوظ ہیں۔ آپ کی اجازت سے میں اس کے ہم شکل سے گفتگو کروں گا۔ اس کے بعد میں نے پوچھا، آفندی صاحب! کیا عثمانی خلیفہ کی اطاعت واجب ہے؟

اس نے کہا، ہاں میرے بیٹے! اس کی اطاعت خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کی طرح واجب ہے۔

میں نے پوچھا، کس دلیل کی بنیاد پر؟

اس نے جواب دیا، کیا تم نے یہ آیت کریمہ نہیں سنی ہے کہ

اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (نساء:۵۹)

خدا، اس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔

میں نے کہا، اگر خلیفہ اولی الامر ہے تو گویا خدا نے ہمیں یزید کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے کیونکہ اس وقت کا خلیفہ تھا حالانکہ اس نے مدینے کی تاراجی کا حکم دیا تھا اور سبطِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا تھا اور خداوند علیم کس طرح ولید کی اطاعت کا حکم دے گا جبکہ وہ شراب خور تھا؟

نقلی شیخ الاسلام نے جواب دیا، میرے بچے! یزید اللہ کی طرف سے مومنوں کا امیر تھا لیکن قتل حسین میں اس سے خطا ہو گئی تھی جس کیلئے بعد میں اس نے توبہ کر لی تھی۔ مدینے میں قتل و غارت گری کا سبب وہاں کے لوگوں کی سرکشی اور یزید کی اطاعت سے انحراف تھا جس میں یزید کا کوئی قصور نہیں تھا۔ اب رہ گیا ولید تو اس میں شک نہیں کہ وہ شراب پیتا تھا لیکن شراب میں پانی ملا کر پیتا تھا تا کہ اس کی مستی ختم ہو جائے اور یہ اسلام میں جائز ہے۔

۱......لوگوں میں اسلام کی حقیقی روح کا اثر ونفوذ جس نے انہیں بہادر، بے باک اور پر عزم بنا دیا تھا اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ایک عام مسلمان مذہبی بنیادوں پر ایک پادری کا ہم پلہ تھا۔ یہ لوگ کسی صورت میں بھی اپنے مذہب سے دستبردار نہیں ہوتے تھے۔ مسلمانوں میں شیعہ مذہب کے پیروکار جن کا تعلق ایران کی سرزمین سے ہے، عقیدے اور ایمان کے اعتبار سے زیادہ مستحکم اور زیادہ خطرناک واقع ہوئے ہیں۔

شیعہ حضرات عیسائیوں کو نجس اور کافر کو مطلق سمجھتے ہیں ان کے نزدیک ایک عیسائی ایسی متعفن غلاظت کی حیثیت رکھتا ہے جسے اپنے درمیان سے ہٹانا ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے۔ ایک دفعہ میں نے ایک شیعہ سے پوچھا، تم لوگ نصاریٰ کو حقارت کی نگاہ سے کیوں دیکھتے ہو حالانکہ وہ لوگ خدا اور رسول اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس نے جواب دیا، حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صاحبِ علم اور صاحبِ حکمت پیغمبر تھے اور وہ چاہتے تھے کہ اس انداز سے کافروں پر دباؤ ڈالیں کہ وہ دین اسلام قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

سیاسی میدان میں بھی جب بھی حکومتوں کو کسی فرد یا گروہ سے کھٹکا ہوتا ہے تو وہ اپنے حریف پر سختیاں کرتی ہیں اور اسے راستے سے ہٹنے پر مجبور کرتی ہیں تاکہ بالآخر وہ اپنی مخالفتوں سے باز آجائے اور اپنا سر تسلیم خم کرے۔ عیسائیوں کے نجس اور ناپاک ہونے سے مراد ان کی ظاہری ناپاکی نہیں بلکہ باطنی ناپاکی ہے اور یہ بات صرف عیسائیوں ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں زرد تشتی بھی شامل ہیں جو قومی اعتبار سے ایرانی ہیں، اسلام انہیں بھی ناپاک سمجھتا ہے۔

میں نے کہا، اچھا! مگر عیسائی تو خدا، رسول اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس نے جواب دیا، ہمارے پاس انہیں کافر اور نجس گرداننے کیلئے دو دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل تو یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جھوٹے ہیں۔ ہم بھی ان کے جواب میں کہتے ہیں کہ تم لوگ ناپاک اور نجس ہو اور یہ تعلق عقل کی بنیاد پر ہے۔ کیونکہ جو تمہیں دکھ پہنچائے تم بھی اسے تکلیف دو۔

دوسرے یہ کہ عیسائی انبیاء و مرسلین پر جھوٹی تہمتیں باندھتے ہیں جو خود ایک بڑا گناہ اور ان کی بے حرمتی ہے مثلاً وہ کہتے ہیں:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام (نعوذ باللہ) شراب پیتے تھے، اس لئے لعنتِ الٰہی میں گرفتار ہوئے اور انہیں سولی دی گئی۔

مجھے اس بات پر بڑا تاؤ آیا اور میں نے کہا، عیسائی ہرگز ایسا نہیں کہتے۔

اس نے کہا، تم نہیں جانتے "کتاب مقدس" میں یہ تمام تہمتیں وارد ہیں۔

اس کے بعد اس نے کچھ نہیں کہا اور مجھے یقین تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اگرچہ میں نے سنا تھا کہ بعض افراد نے پیغمبر اسلام پر جھوٹ کی نسبت دی ہے لیکن میں اس سے زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں میرا بھانڈا نہ پھوٹ جائے اور لوگ میری اصلیت سے واقف نہ ہو جائیں۔

میں نے کچھ عرصہ قبل استنبول میں حرمتِ شراب کے متعلق مسئلہ کو وہاں کے شیخ الاسلام شیخ احمد سے دریافت کر لیا تھا۔ اس کا جواب کچھ اختلاف کے ساتھ لندن کے اس نقلی شیخ الاسلام کے جواب سے ملتا جلتا تھا۔ میں نے اصل سے نقل کی ایسی شباہت تیار کرنے کی کوشش کو سراہتے ہوئے سیکرٹری سے پوچھا، آخر اس کام سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟

اس نے جواب دیا، اس طرح ہم بادشاہوں اور سنی شیعہ علماء کے افکار اور ان کے میلانِ طبع سے آشنائی حاصل کرتے ہیں۔ پھر ان مکالمات کو پرکھا جاتا ہے اور ان سے نتائج اخذ کیے جاتے ہیں اور پھر ہم علاقے کے دینی اور سیاسی مسائل میں دخل اندازی کرتے ہیں مثلاً اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں عالم یا فلاں بادشاہ علاقہ کی مشرقی سرحدوں میں ہم سے مخاصمت پر اتر آیا ہے تو ہم اس کو ناکارہ بنانے کیلئے ہر طرف سے اپنی توانائیوں کو اس سمت میں مرکوز کر دیتے ہیں لیکن اگر ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ ہمارا حقیقی دشمن کس مقام پر سرگرم عمل ہے تو ہمیں اپنی توانائیوں کو علاقہ کے چپے چپے میں پھیلانا پڑتا ہے۔ مذکورہ عمل ہمیں اس بات میں بھی مدد دیتا ہے کہ ہم اسلام کے احکام و فرامین میں سے ایک فردِ مسلم کے طرز استنباط کو سمجھیں اور زیادہ منطقی مطالب فراہم کریں اور اس کے عقائد کو باطل قرار دیں۔ اختلافات، تفرقے، گڑبڑ اور مسلمانوں کے عقائد میں تزلزل پیدا کرنے کیلئے اسی طرح کے اقدامات بے انتہا موثر پائے جاتے ہیں۔

اس کے بعد سیکرٹری نے مجھے ایک ہزار صفحوں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب مطالعہ کیلئے دی۔ اس کتاب میں اصلی اور نقلی افراد کی گفتگو، تجزیہ اور مقابلوں کے نتائج سے متعلق اعداد و شمار درج تھے مجھے حاصل شدہ نتائج کی بنیاد پر اسلامی دنیا میں فوجی، مالی، تعلیمی اور مذہبی مسائل سے متعلق حکومتِ برطانیہ کے مرتب شدہ پروگراموں سے واقفیت حاصل کرنا تھی۔

بہرحال میں کتاب گھر لے گیا اور تین ہفتے کے عرصے میں بڑی توجہ کے ساتھ شروع سے آخر تک مطالعہ کیا اور مقررہ مدت میں نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت کو واپس دے آیا۔ کتاب واقعی بڑی محنت سے تیار کی گئی تھی۔ اس میں صاحبانِ علم، صاحبانِ سیاست اور اسلام کی دینی شخصیتوں کے عقائد و نظریات کے بارے میں اس خوبی سے بحث کی گئی تھی اور نتیجہ اخذ کیا گیا تھا کہ پڑھنے والا دنگ رہ جاتا تھا۔ ستر فیصد مباحث حقیقت پر منطبق تھے جبکہ تیس فیصد میں اختلاف تھا۔ کتاب کے مطالعہ کے بعد مجھے اطمینان ہو گیا کہ میری حکومت اپنے عمل میں کامیاب ہو گی اور مذکورہ کتاب کی پیشن گوئی کے مطابق سلطنتِ عثمانیہ ایک صدی سے کم عرصہ میں بہرحال ختم ہو جائے گی۔

سیکرٹری سے ملنے کے بعد مجھے یہ بات معلوم ہوگئی کہ نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت میں دنیا کے تمام ممالک کیلئے خواہ وہ استعماری ہوں یا نیم استعماری اس طرح شبیہ سازی یا نقلی روپ کا عمل بروئے کار لایا گیا ہے اور ان تمام ممالک کو پوری طرح استعمار کے شکنجے میں جکڑنے کے انتظامات مکمل کیے گئے ہیں۔

سیکرٹری نے اپنی گفتگو کے دوران مجھ سے کہا تھا کہ وہ پہلا راز ہے جسے اس نے وزیر کے حکم کے مطابق مجھے بتایا ہے مگر دوسرے راز کو وہ مذکورہ کتاب کی دوسری جلد کے مطالعہ پر ایک ماہ بعد مجھے بتائے گا۔

میں نے دوسری کتاب لے کر اس کا مطالعہ شروع کیا۔ یہ کتاب پہلی کتاب کو مکمل کرتی تھی۔ اس میں اسلامی ممالک سے متعلق نئی اطلاعات زندگی کے مختلف مسائل میں شیعہ سنی عقائد و افکار جو حکومت کی کمزوری یا توانائی کو ظاہر کرتے تھے اور مسلمانوں کی پسماندگی کے اسباب وغیرہ پر گفتگو تھی۔ اس کتاب میں ان موضوعات پر بڑی سیر حاصل بحث کی گئی تھی اور مسلمانوں کے کمزور پہلوؤں یا طاقت کے ذرائع کو نمایاں کیا گیا تھا اور ان سے اپنے حق میں فائدہ اٹھانے کی تدابیر سمجھائی گئی تھیں اس کتاب میں مسلمانوں کی جن کمزوریوں کی طرف اشارہ کیا گیا تھا وہ یہ تھیں:۔

۱.....شیعہ سنی اختلافات۔

۲.....حکمرانوں کے ساتھ قوموں کے اختلافات۔

۳.....ایرانی اور عثمانی حکومتوں کے اختلافات۔

۴.....قبائلی اختلافات۔

۵.....علماء اور حکومت کے عہدہ داروں کے درمیان غلط فہمیاں۔

۶.....تقریباً تمام مسلمان ملکوں میں جہالت اور نادانی کی فراوانی۔

۷.....فکری جمود اور تعصب، روزانہ کے حالات سے بے خبری، کام اور محنت کی کمی۔

8.....مادی زندگی سے بے توجہی، جنت کی اُمید میں حد سے زیادہ عبادت جو اس دنیا میں بہتر زندگی کے راستوں کو بند کر دیتی تھی۔

۹.....خود سر فرمانرواؤں کے ظلم واستبداد۔

10.....امن وامان کا فقدان، شہروں کے درمیان سڑکوں اور راستوں کا فقدان، علاج معالجے کی سہولتوں اور حفظانِ صحت کے اصولوں کا فقدان جس کی بناء پر طاعون یا اس جیسی متعدی بیماریوں سے ہر سال آبادی کا ایک حصہ موت کی نذر ہو جاتا ہے۔

11.....حکومتی دفتروں میں بدانتظامی اور قاعدے قوانین کا فقدان، قرآن اور احکام شریعت کے احترام کے باوجود عملی طور پر اس سے بے توجہی۔

۱۲......شہروں کی ویرانی، آبپاشی کے نظام کا فقدان، زراعت اور کھیتی باڑی کی کمی۔

۱۳......پسماندہ اور غیر صحت مندانہ اقتصاد۔ پورے علاقے میں عام غربت اور بیماری کا دوردورہ۔

۱٤......صحیح تربیت یافتہ فوجوں کا فقدان، اسلحہ ودفاعی سازوسامان کی کمی اور موجودہ اسلحہ کی فرسودگی۔

۱۵......عورتوں کی تحقیر اور ان کے حقوق کی پامالی۔

۱٦......شہروں اور دیہاتوں کی گندگی، ہر طرف کوڑے کرکٹ کے انبار۔

۱۷......سڑکوں، شاہراہوں، بازاروں میں اشیائے فروخت کے بکھرے ہوئے بے ہنگم ڈھیر وغیرہ۔

مسلمانوں کے کمزور پہلوؤں کو گنوانے کے بعد کتاب نے اس حقیقت کی طرف اشارہ بھی کیا تھا کہ شریعتِ اسلام کا قانون مسلمانوں کی اس طرز زندگی سے رتی برابر میل نہیں کھاتا لیکن یہ بات ضروری ہے کہ مسلمانوں کو اسلام کی حقیقی روح سے بے خبر رکھا جائے اور انہیں حقائق دین تک نہ پہنچنے دیا جائے۔ اس کے بعد کتاب نے بصورتِ فہرست ان اوامر واحکامات کی طرف بھی اشارہ کیا تھا جو دین اسلام کے اصول ومبانی کو ظاہر کرتے تھے اور ان کی صورت یہ تھی:۔

۱......وحدت، دوستی اور بھائی چارہ کی تاکید اور تفرقہ سے دوری۔

۲......تعلیم وتربیت کی تاکید۔

۳......جستجو اور افکار کی تاکید۔

٤......مادی زندگی بہتر بنانے کی تاکید۔

۵......زندگی کے مسائل میں لوگوں سے رائے مشورے کی تاکید۔

٦......شاہراہیں بنانے کی تاکید۔

۷......حدیثِ نبوی کی بنیاد پر تندرستی اور معالجہ کی تاکید۔

علوم کی چار قسمیں ہیں:۔

الف......علم فقہ......دین کی حفاظت کیلئے۔

ب......علم طب......بدن کی حفاظت کیلئے۔

ج......علم نحو......زبان کی حفاظت کیلئے۔

د......علم نجوم......زمانے کی پہچان کیلئے۔

۸.....آبادکاری کی تاکید۔

۹.....اپنے کاموں میں نظم و ترتیب۔

۱۰.....معاشی استحکام کی تاکید۔

۱۱.....جدید ترین اسلحہ اور جنگی ساز و سامان سے لیس فوجی تنظیم کی تاکید۔

۱۲.....عورتوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کے احترام کی تاکید۔

۱۳.....صفائی اور پاکیزگی کی تاکید۔

ان اوامر کے تذکرے کے بعد کتاب اپنے دوسرے باب میں اسلام کی طاقت و قوت کیلئے سرچشموں کے پیش رفت کے اسباب پر روشنی ڈالتی ہے اور انہیں تباہی سے دوچار کرنے کیلئے ترقی کی راہوں کے خلاف اقدامات کو نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کا نقطۂ آغاز قرار دیتی ہے اور وہ ترقی کی راہیں یہ تھیں:۔

۱.....رنگ و نسل، زبان، تہذیب و تمدن اور قومی تعصبات کو خاطر میں نہ لانا۔

۲.....سود، ذخیرہ اندوزی، بدعملی، شراب اور سور کے گوشت وغیرہ کی ممانعت۔

۳.....ایمان و عقیدہ کی بنیاد پر علمائے دین سے شدید محبت اور وابستگی۔

٤.....موجودہ خلیفہ کی نسبت عامۃ المسلمین کا احترام اور یہ عقیدہ کہ وہ پیغمبر کا جانشین اور اولی الامر ہے جس کی بناء پر اس کے احکامات کی بجا آوری خدا اور رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے احکامات کی بجا آوری ہے۔

۵.....کفار کے خلاف وجوب جہاد۔

٦.....غیر مسلموں کی ناپاکی پر مبنی اہل تشیع کا عقیدہ۔

۷.....مختلف ادیان اور مذاہب پر اسلام کی بالادستی کا اعتقاد۔

۸.....اسلامی سرزمین پر یہودی اور نصرانی عبادت گاہوں کی تعمیر کے بارے میں شیعہ حضرات کی ممانعت۔

۹.....جزیرۃ العرب سے تمام یہودیوں اور نصرانیوں کے انخلاء پر اکثر مسلمانوں کا اتفاق۔

۱۰.....اشتیاق کے ساتھ نماز، روزہ اور حج کے فرائض کی انجام دہی میں مداومت۔

۱۱.....خمس کی ادائیگی کے بارے میں اہل تشیع کا عقیدہ اور علماء کی طرف سے مستحقین کو اس رقم کی تقسیم۔

۱۲.....ایمان و اخلاص کے ساتھ اسلام کے دینی عقائد سے دلچسپی۔

۱۳ ...... گھریلو استحکام کے بنیادی مقصد کے ساتھ بچوں اور نوجوانوں کی روایتی تعلیم و تربیت اور بچوں کے ساتھ والدین کے دائمی ارتباط کی ضرورت واہمیت کا رجحان۔

١٤ ...... عورتوں کو پردہ کی تاکید جو انہیں غیر شرعی روابط اور بدعملیوں سے روکتی ہے۔

١٥ ...... نماز با جماعت کی ادائیگی اور ہر جگہ کے لوگوں کا دن میں کئی مرتبہ ایک مسجد میں اکٹھا ہونا۔

١٦ ...... پیغمبر اکرم، اہل بیت اور علماء کی زیارت گاہوں کی تعظیم اور ان مقامات کو ملاقات اور اجتماع کے مراکز قرار دینا۔

١٧ ...... سادات کا احترام اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسطرح تذکرہ کرنا گویا وہ ابھی زندہ ہیں اور درود وسلام کے مستحق ہیں۔

١٨ ...... اسلام کے اہم اصولوں کے عنوان سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وجوب۔

١٩ ...... شادی بیاہ، کثرت اولاد اور تعدد ازدواج کا مستحب ہونا۔

٢٠ ...... نیک عمل انجام دینے کی اہمیت ...... جو کوئی نیک عمل کی پیروی کرے گا اس کیلئے دو جزائیں مخصوص ہیں۔ ایک خود اس نیک عمل کی اپنی جزا اور دوسرے اس نیک عمل کو انجام دینے کی جزا۔

٢١ ...... قرآن و حدیث کا بے انتہا پاس واحترام اور ثواب آخرت کیلئے ان پر عمل پیرا ہونے کی شدید ضرورت۔

اسلام کے ان سرچشمہ ہائے قوت کے تذکرے کے بعد کتاب کے اگلے ابواب میں دیانت کے ان مستحکم ستونوں کو کمزور بنانے کے عملی راستوں پر بڑی محکم دلیلوں کے ساتھ گفتگو کی گئی تھی۔ اس کے بعد بصورت فہرست ان اقدامات کی تاکید کی گئی تھی جن کے ذریعے اسلامی دنیا کو کمزور بنایا جاسکتا تھا اور وہ یہ تھیں:۔

١ ...... بدگمانی اور سوءِ تفاہم کے ذریعے شیعہ اور سنی مسلمانوں میں مذہبی اختلافات پیدا کرنا اور دونوں گروہوں کی طرف سے ایک دوسرے کے خلاف اہانت آمیز اور تہمت انگیز باتیں لکھنا اور نفاق و تفرقے کے اس سود مند پروگرام کو روبہ عمل لانے کیلئے بھاری اخراجات کی ہرگز پرواہ نہ کرنا۔

٢ ...... مسلمانوں کو جہالت اور لاعلمی کے عالم میں رکھنا۔ کسی تعلیمی مرکز کے قیام کی کوشش کو کامیاب نہ ہونے دینا۔ طباعت اور نشر و اشاعت پر پابندی عائد کرنا اور ضرورت پڑے تو عوامی کتب خانوں کو نذر آتش کرنا۔ دینی مدارس میں جانے سے روکنے کیلئے علماء اور مراجع دینی پر تہمتیں لگانا۔

٣ ...... کاہلی پھیلانے اور زندگی کی جستجو سے مسلمانوں کو محروم کرنے کیلئے موت کے بعد کی دنیا میں رنگ آمیزی اور جنت کی ایسی توصیف بیان کرنا تاکہ وہ مجسم بن کر لوگوں کے ذہن و قلب پر چھا جائے اور وہ اس کو حاصل کرنے کیلئے اپنی معاشی تگ و دو سے دستبردار ہو جائیں اور ملک الموت کے انتظار میں بیٹھے رہیں۔

۴...... ہر طرف درویشوں کی خانقاہوں کو پھیلاؤ اور ایسی کتابوں اور رسالوں کی طباعت جو لوگوں کو دنیا و مافیہا سے برگزشتہ کر کے انہیں مردم بیزاری اور گوشہ نشینی کی طرف مائل کریں جیسے غزالی کی احیاء العلوم، مولانا روم کی مثنوی اور محی الدین عربی کی کتابیں وغیرہ۔

نوٹ...... ان کتابوں کے بارے میں لکھنے والے کا فیصلہ بے علمی یا بدنیتی پر مبنی ہے۔ غزالی جیسے متکلمین یا محی الدین عربی اور مولانا جلال الدین رومی جیسے عرفاء کی بیان کردہ تعلیمات علمی اخلاق کا ایک سلسلہ ہے۔ نفس کے تزکیہ کو گوشہ نشینی اور مردم بیزاری سے تعبیر کرنا قطعاً درست نہیں۔ (مترجم)

۵...... خود خواہ حکمرانوں کی حقانیت کے ثبوت میں مختلف احادیث کی اشاعت مثلاً بادشاہ زمین پر اللہ کا سایہ ہے یا پھر یہ دعویٰ کہ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور علی، بنی امیہ اور بنی عباس سب کے سب بالجبر تلوار کے زور سے حکومت کے منصب پر فائز ہوئے اور بزور شمشیر حکمرانی یا سقیفہ کی کاروائی کو ایک تماشے کی صورت میں پیش کرنا جس کی ڈوری حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے تھام رکھی ہو اور اس بارے میں دلائل قائم کرنا جیسے حضرت علی (علیہ السلام) کے طرفداروں خاص طور پر آپ کی زوجہ محترم حضرت فاطمۃ الزہراء (علیہا السلام) کا گھر جلانا۔ نیز یہ ثابت کرنا کہ

۱...... حضرت عمر کی خلافت، ظاہراً حضرت ابوبکر کی وصیت اور باطناً مخالفین کو ڈرا دھمکا کر عمل میں لائی گئی۔

۲...... حضرت علی (علیہ السلام) کی مخالفت کی بنیاد پر حضرت عثمان کے انتخاب میں ڈرامائی طور پر شوریٰ کی تشکیل، جو بالآخر مخالفت، شورش، خلیفہ سوم کے قتل اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر منتج ہوئی۔

۳...... مکر و حیلہ اور شمشیر کے ذریعے معاویہ کا برسر اقتدار آنا اور اسی صورت میں اس کے جانشینوں کا استقرار۔

۴...... ابو مسلم کی قیادت میں سفاح کی مسلح شورش اور بزور شمشیر خلافت بنی عباس کا قیام۔

۵...... حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر عثمانیوں کی حکمرانی کے اس دور تک تمام خلفائے اسلام آمر تھے اور یہ کہ نظام اسلام میں ہمیشہ آمریت کا دور دورہ رہا ہے۔

۶...... راستوں میں بدامنی کے اسباب فراہم کرنا۔ بداندیش افراد کی مدد سے شہروں اور دیہاتوں میں فتنہ و فساد برپا کرنا اور غنڈوں، فسادیوں اور ڈاکوؤں کی پشت پناہی کرنا اور انہیں اسلحہ اور رقم فراہم کر کے ان کی مدد کرنا۔

۷.....حفظانِ صحت کی کوششوں میں آڑے آنا اور جبری اور قدری افکار کو ترجیح دینا اور یہ بتانا کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے۔ بیاری بھی اللہ کی دین ہے اور اس کا علاج بے سود ہے۔ اس سلسلے میں یہ آیت پیش کرنا 'وہی ہے جو مجھے کھانا دیتا ہے اور پیاس کی حالت میں سیراب کرتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے تندرستی عطا کرتا ہے۔ وہی مارتا ہے اور جلاتا بھی ہے'۔ (شعراء:۸۱) شفا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ موت اور حیات بھی اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ بیماری سے شفایابی اور موت سے رہائی اس کی مشیت اور اس کے ارادہ کے بغیر قطعی ناممکن ہے اور یہ تمام رونما ہونے والے واقعات قضائے الٰہی ہیں۔

۸.....اسلامی ممالک کو فقر و افلاس میں باقی رکھنا اور ان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل یا اصلاح عمل کو جاری نہ ہونے دینا۔

۹.....فتنہ و فساد اور ہنگامہ آرائیوں کو ہوا دینا اور اس عقیدہ کو لوگوں میں راسخ کرنا کہ اسلام محض عبادت اور پرہیزگاری کا نام ہے اور دنیا اور اس کے امور سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ حضرت ختمی المرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے جانشینوں نے کبھی ان مسائل میں پڑنے کی کوشش نہیں کی اور سیاسی اور اقتصادی تنظیم سے کوئی سروکار نہیں رکھا۔

10 ...... ادھر دیئے ہوئے امور پر توجہ اقتصادی بدحالی اور غربت و بیکاری میں اضافہ کا باعث ہوگی مگر اس کے ساتھ ساتھ پسماندگی میں اضافہ کرنے کیلئے ضروری ہے کہ کسانوں کے غلہ کے ڈھیروں کو نذرِ آتش کیا جائے۔ تجارتی کشتیوں کو ڈبو دیا جائے، تجارتی جہاز اور صنعتی مراکز میں بڑے پیمانے پر آگ بھڑکائی جائے۔ دریاؤں کے بند توڑ کر بستیاں ویران کی جائیں اور پینے کے پانی کو زہر آلود بنایا جائے تاکہ اس لحاظ سے علاقے والوں کی پسماندگی اور فقر و ہلاکت کا سامان فراہم کیا جاسکے۔

11 ......اسلامی حکمرانوں کے مزاج کو بدلا جائے اور ان میں شراب نوشی، جوئے بازی اور دیگر اخلاقی برائیاں پیدا کی جائیں۔ قومی خزانہ میں خورد برد اور لوٹ کھسوٹ کی ایسی صورت پیدا کی جائے کہ ان کے پاس اپنے دفاع، ملکی معیشت اور ترقیاتی امور کیلئے کوئی رقم باقی نہ رہے۔

12 ......'مرد عورتوں پر حاکم ہیں'۔ (نساء:۳۴) یا 'عورتیں بدی کا پتلا ہیں' کی حدیث کے سہارے عورتوں کی توہین و تحقیر اور کنیزی کا پرچار کیا جائے۔

13 ......اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کی شہری اور دیہاتی بستیوں میں غلاظت اور گندگی کا سب سے بڑا سبب ان علاقوں میں پانی کی کمی ہے اور ہمیں چاہیئے کہ ہم ہر ممکن طریقے سے گنجان آباد علاقوں میں پانی کی فراوانی روک دیں تاکہ ان علاقوں میں کثرت سے گندگی میں اضافہ ہو۔

کتاب کے ایک اور باب میں مسلمانوں کی قوت وطاقت کو توڑنے اور انہیں کمزور بنانے کے دیگر اصولوں پر بھی گفتگو کی گئی تھی جو دلچسپی سے خالی نہیں:۔

۱......ایسے افکار کی ترویج جو قومی، قبائلی اور نسلی عصبیتوں کو ہوا دیں اور لوگوں کو گزشتہ قوموں کی تاریخ، زبان اور ثقافت کی طرف شدت سے مائل کریں اور وہ ماقبل اسلام کی تاریخی شخصیتوں پر فریفتہ ہو جائیں اور ان کا احترام کریں۔ مصر میں فرعونیت کا احیاء، ایران میں زردتشت اور بین النہرین میں بابل کی بت پرستی ان ہی کی مثالیں ہیں۔ کتاب کے اس حصے میں ایک بڑے نقشے کا بھی اضافہ کیا گیا تھا جس میں ان مراکز کی نشاندہی کی گئی تھی جن میں سابق الذکر خطوط پر عمل درآمد ہو رہا تھا۔

۲......شراب خوری، جوے بازی، بدفعلی اور شہوت رانی کی ترویج، سور کے گوشت کے استعمال کی ترغیب، ان کارگزاریوں میں یہودی، نصرانی، زردتشتی اور صابی اقلیتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ہاتھ بٹانا چاہیئے اور ان برائیوں کو مسلم معاشرے میں زیادہ سے زیادہ فروغ دینا چاہیئے جن کے عوض نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت انہیں انعام واکرام سے نوازے گی۔ اس کام کیلئے متعدد افراد کی ضرورت ہے جو کسی بھی موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اور شراب، جوا، فحاشی اور سور کے گوشت کو جہاں تک ہو سکے لوگوں میں مقبول بنائیں۔ اسلامی دنیا میں انگریزی حکومت کے کارندوں کا یہ فریضہ تھا کہ وہ مال و دولت، انعام واکرام اور ہر مناسب طریقے سے ان برائیوں کی پشت پناہی کریں اور ان پر عمل پیرا افراد کو کسی طرح کا گزند نہ پہنچنے دیں اور مسلمانوں کو اسلامی احکامات اور اس کے اوامر ونواہی سے روگردانی کی ترغیب دیں کیونکہ احکام شرع سے بے توجہی معاشرے میں بدنظمی اور افراتفری کا سبب ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر قرآن مجید میں سود کی شدت سے مذمت کی گئی ہے اور اس کا شمار گناہانِ کبیرہ میں ہوتا ہے۔ پس لازم ہے کہ ہر حال میں سود اور حرام سودے بازی کو عام کرنے کی کوشش کی جائے اور اقتصادی بدحالی کو مکمل طور پر مشتعل بنایا جائے۔ اس کام کیلئے ضروری ہے کہ سود کی حرمت سے متعلق آیات کی غلط تفسیر کی جائے اور اس اصول کو پیش نظر رکھا جائے کہ قرآن کے ایک حکم کی سرتابی اسلام کے تمام احکام سے روگردانی کی جرأت کا آئینہ دار ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ قرآن نے جس سود کو منع کیا وہ سود مرکب (یا سود در سود) ہے وگرنہ عام سود میں کوئی قباحت نہیں۔

قرآن کہتا ہے "اپنے مال کو کئی گنا کرنے کی خاطر سود نہ کھاؤ"۔ (سورہ آل عمران: ۱۳۰) اس بناء پر سود حرام نہیں ہے۔

۴...... علمائے دین اور عوام کے درمیان دوستی اور احترام کی فضا کو آلودہ کرنا اہم فریضہ ہے جسے انگلستان کی حکومت کے ہر ملازم کو یاد رکھنا چاہئے۔ اس کام کیلئے دو باتوں کی اشد ضرورت ہے:۔

الف...... علماء و مراجع پر الزام تراشی کرنا۔

ب...... نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت سے منسلک بعض افراد کو علمائے دین کی صورت دینا اور انہیں الازہر یونیورسٹی، نجف، کربلا اور استنبول کے علمی اور دینی مراکز میں اُتارنا، علمائے دین سے لوگوں کا رشتہ توڑنے کیلئے ایک راستہ یہ بھی ہے کہ بچوں کو نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت کے پروگراموں کے مطابق ترتیب دی جائے۔ اس کام کیلئے ایسے اساتذہ کی ضرورت ہے جو ہمارے تنخواہ دار ہوں تاکہ وہ جدید علوم کی تدریس کے ضمن میں نوجوانوں کو علمائے دین اور عثمانی خلیفہ سے متنفر کریں اور ان کی اخلاقی برائیوں اور ظلم و زیادتیوں کو بڑی آب و تاب کے ساتھ بیان کریں اور یہ بتائیں کہ وہ کس طرح قومی سرمایہ کو اپنی عیاشیوں کی نذر کرتے ہیں اور ان میں کسی پہلو سے اسلامی جھلک نہیں پائی جاتی۔

۴...... وجوب جہاد کے عقیدے میں تزلزل پیدا کرنا اور یہ ثابت کرنا کہ جہاد صرف صدر الاسلام کیلئے تھا تاکہ مخالفوں کی سرکوبی کی جائے مگر آج اس کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

۵...... کافروں کی پلیدی اور نجاست سے متعلق موضوع جو خاص طور پر شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے، ان مسائل میں سے ہے جسے مسلمانوں کے ذہن سے خارج ہو جانا چاہئے اور اس کیلئے قرآن و حدیث سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر یہ آیت جس میں کہا گیا ہے کہ 'اہل کتاب جو کھانا کھاتے ہیں وہ تم پر حلال ہے اور جو تم کھانا کھاتے ہو وہ ان پر حلال ہے اور پاک دامن عورتیں اور پاکدامن اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) عورتیں تم پر حلال ہیں'۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صفیہ اور ماریہ نامی یہودی اور مسیحی عورتوں سے شادی نہیں کی تھی؟ اور کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ (نعوذ باللہ) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیویاں نجس تھیں؟

۶...... مسلمانوں کو یہ بات سمجھانی چاہئے کہ دین سے حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد صرف اسلام نہیں بلکہ جیسا کہ قرآن حکیم سے بھی ثابت ہے دین میں اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ بھی شامل ہیں اور تمام ادیان کے پیروکاروں کو مسلمان کہا جائے گا۔ قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام خدا سے دعا کرتے ہیں کہ 'اس دنیا سے مسلمان جائیں'۔ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی بھی یہی تمنا ہے کہ 'پروردگار ہم دونوں کو مسلمانوں کے زمرہ میں اور ہمارے خاندان کو امت مسلمہ قرار دے'۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے فرزندوں سے کہتے ہیں 'نہ مرنا مگر حالت اسلام میں'۔

۷...... دوسرا اہم موضوع کلیساؤں اور کنیساؤں کے اسباب سے متعلق ہے ۔ قرآن و حدیث اور تاریخ اسلام کی روشنی میں لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ اہل کتاب کی عبادت گاہیں محترم ہیں۔ قرآن کا ارشاد ہے "اگر خداوند عالم لوگوں کو منع نہ فرماتا تو لوگ نصاریٰ کے کلیساؤں، یہودیوں کے کنیساؤں اور زردشتیوں کے آتش کدوں کو تباہ و برباد کردیتے"۔ (سورۂ حج: ۴۰)

اس آیت سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلام میں عبادت گاہیں محترم ہیں اور انہیں ہرگز نقصان نہیں پہنچایا جاسکتا۔

۸...... دین یہود سے انکار پر مبنی چند حدیثیں جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل کی گئی ہیں مثلاً یہودیوں کو جزیرۃ العرب سے باہر نکال دو یا جزیرۃ العرب میں دو متفاوت ادیان کی گنجائش نہیں'۔ ہمیں ہر حال میں ان احادیث کی تردید کرنی چاہئے اور یہ بتانا چاہئے کہ اگر یہ احادیث صحیح ہوتیں تو حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی یہودی عورت سے شادی نہ کرتے۔

۹...... لازم ہے کہ مسلمانوں کو عبادت سے روکا جائے اور اس کے وجوب کے بارے میں ان کے دلوں میں شکوک پیدا کیے جائیں خاص طور سے اس نکتہ پر زور دیا جائے کہ خداوند عالم بندوں کی عبادت سے بے نیاز ہے۔ حج ایک بیہودہ عمل قرار دیا جائے اور مسلمانوں کو شدت کے ساتھ مکہ جانے سے روکا جائے۔ اس طرح مجالس اور اس سلسلہ کے تمام اجتماعات پر پابندی لگائی جائے۔ یہ اجتماعات ہمارے لئے خطرے کی گھنٹی ہیں اور انہیں شدت کے ساتھ روکنا ضروری ہے۔ مساجد، ائمہ دین کے مزارات، امام بارگاہوں اور مدرسوں کی تعمیرات پر بھی بندش عائد کی جائے۔

۱۰...... خمس اور غنائم جنگی کی تقسیم بھی اسلام کی تقویت کا ایک سبب ہے۔ خمس کا تعلق لین دین، تجارتی اور کاروباری منافع سے نہیں ہے۔ مسلمانوں کو اس بات سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے کہ اس رقم کی ادائیگی پیغمبر اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اماموں کے زمانے میں واجب تھی لیکن اب علمائے دین کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے اس رقم کو حاصل کریں۔ خاص طور پر جبکہ یہ لوگ اس رقم سے ذاتی فائدے حاصل کرتے ہیں اور اپنے لئے بھیڑ، بکریاں، گائے، گھوڑے، باغات اور محلات خریدتے ہیں۔ اس اعتبار سے شرعاً خمس کی رقم ان کیلئے جائز نہیں ہے۔

۱۱...... لوگوں کو برگشتہ کرنے کیلئے یہ ظاہر کرنے کی ضرورت ہے کہ اسلام فتنہ و فساد اور ابتری اور اختلافات کا دین ہے اور اس کے ثبوت میں اسلامی ممالک میں رونما ہونے والے واقعات کو پیش کرنا چاہئے۔

۱۲...... اپنے آپ کو تمام گھرانوں میں پہنچا کر باپ بیٹوں کے تعلقات کو اس حد تک بگاڑا جائے کہ بزرگوں کی نصیحت بے اثر ہوجائے اور لوگ آمریت کی تہذیب و تمدن کا شکار ہوجائیں۔ اس صورت میں ہم نوجوانوں کو ان کے دینی عقائد سے منحرف کرکے انہیں علماء سے دُور رکھ سکتے ہیں۔

۲...... مذہب اسلام تاریخی پس منظروں کی بنیاد پر ایک حریت پسند مذہب ہے اور اسلام کے سچے پیروکار آسانی کے ساتھ غلامی قبول نہیں کرتے۔ان کے پورے وجود میں گزشتہ عظمتوں کا غرور سمایا ہوا ہے یہاں تک کہ اپنے اس ناتوانی اور پرفتور دور میں بھی وہ اس سے دستبردار ہونے پر تیار نہیں ہیں۔ہم اس پر قادر نہیں ہیں کہ تاریخ اسلام کی من مانی تفسیر پیش کر کے انہیں یہ بتائیں کہ تمہاری گزشتہ عظمتوں کی کامیابی ان حالات پر منحصر تھی جو اس زمانے کا تقاضا ہے مگر اب زمانہ بدل چکا ہے اور نئے تقاضوں نے ان کی جگہ لے لی ہے اور اب گزشتہ دور میں واپسی ناممکن ہے۔

۳...... ہم ایرانی اور عثمانی حکومتوں کی دو اندیشیوں، ہوشیاروں اور کاروائیوں سے محفوظ نہیں تھے اور ہر آن یہ کھٹکا رہتا تھا کہ کہیں وہ ہماری سامراجی پالیسی سے باخبر ہو کر ہمارے کئے دھرے پر پانی نہ پھیر دیں۔یہ دونوں حکومتیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے بہت کمزور ہو چکی تھیں اور ان کا اثر و رسوخ صرف اپنی سرزمین کی حد تک محدود تھا۔وہ صرف اپنے ہی علاقے میں ہمارے خلاف اسلحہ اور پیسہ جمع کر سکتے تھے تاہم ان کی بدگمانی ہماری آئندہ کامیابی کیلئے عدم اطمینان کا سبب تھی۔

۴...... مسلمان علماء بھی ہماری تشویش کا باعث تھے۔جامعہ الازہر کے مفتی اور ایران و عراق کے شیعہ مراجع ہمارے سامراجی مقاصد سے یکسر بے خبر تھے اور ان کی تنہا توجہ اس جنت کیلئے تھی جس کا وعدہ قرآن نے انہیں دے رکھا تھا۔یہ لوگ اس قدر متعصب تھے کہ اپنے موقف سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھے۔بادشاہ اور امراء سمیت تمام افراد ان کے آگے چھوٹے تھے۔ اہل سنت حضرات شیعوں کی نسبت اپنے علماء سے اس قدر خوفزدہ نہیں تھے اور ہم دیکھتے ہیں عثمانی سلطنت میں بادشاہ اور شیخ الاسلام کے درمیان ہمیشہ خوشگوار تعلقات برقرار رہے تھے اور علماء کا زور سیاسی حکام کے زور کے ہم پلہ تھا لیکن شیعی ممالک میں لوگ بادشاہوں سے زیادہ علماء کا احترام کرتے تھے۔مذہبی علماء سے ان کا لگاؤ ایک حقیقی لگاؤ تھا لیکن حکام یا سلاطین کو وہ کچھ زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔بہر حال سلاطین اور علماء کی قدردانی سے متعلق ہمیشہ شیعہ اور سنی نظریات کا یہ فرق تو آبادیاتی علاقوں کی وزارت اور انگریزی حکومت کی شورش میں کمی کا باعث نہیں تھا۔

ہم نے کئی بار ان ممالک کے ساتھ آپس کی پیچیدہ دشواریوں کو دور کرنے کے سلسلے میں گفتگو کی لیکن ہمیشہ ہماری گفتگو نے بدگمانی کی صورت اختیار کی اور ہم نے اپنا راستہ بند پایا۔ہمارے جاسوسوں اور سیاسی کارکنوں کی درخواستیں بھی سابقہ مذاکرات کی طرح بری طرح ناکام رہیں لیکن پھر بھی ہم ناامید نہیں ہوئے کیونکہ ہم ایک مضبوط اور پرشکیب قلب کے مالک ہیں۔

۱۳...... عورتوں کی بے پردگی کے بارے میں ہمیں سعی بلیغ کی ضرورت ہے تاکہ مسلمان عورتیں خود پردہ چھوڑنے کی آرزو کرنے لگیں۔ اس سلسلے میں ہمیں تاریخی دلائل و شواہد کا سہارا لے کر یہ ثابت کرنا ہوگا کہ پردہ کا رواج بنی عباس کے دور سے ہوا اور یہ ہرگز اسلام کی سنت نہیں ہے۔ لوگ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیویوں کو بغیر پردہ دیکھتے رہے ہیں۔ صدر اسلام کی عورتیں زندگی کے تمام شعبوں میں مردوں کے شانہ بشانہ رہی ہیں۔ ان کوششوں کے بارآور ہونے کے بعد ہمارے ساتھیوں کا یہ فرض ہے کہ وہ نوجوانوں کو نامشروع جنسی روابط اور عیاشیوں کی ترغیب دیں اور اس طرح برائیوں کو اسلامی معاشرے میں رواج دیں۔ ضروری ہے کہ غیر مسلم عورتیں پوری بے پردگی کے ساتھ اپنے آپ کو مسلم معاشرے میں پیش کریں تاکہ مسلمان عورتیں انہیں دیکھ کر ان کی تقلید کریں۔

۱۴...... جماعت کی نماز سے لوگوں کو روکنے کیلئے ضروری ہے کہ ائمہ وجماعت پر الزام تراشیاں کی جائیں اور ان کے فسق و فجور پر مبنی دلائل پیش کئے جائیں تاکہ لوگ ان سے متنفر ہو کر ان سے اپنا رابطہ توڑ لیں۔

۱۵...... ہماری دشواریوں میں سے ایک بڑی دشواری بزرگانِ دین کے مزاروں پر مسلمانوں کی حاضری ہے۔ ضروری ہے کہ مختلف دلائل سے یہ ثابت کیا جائے کہ قبروں کو اہمیت دینا اور ان کی آرائشات پر توجہ دینا بدعت اور خلاف شرع ہے اور ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں مردہ پرستی اور اس قسم کی باتیں رائج نہیں تھیں۔ آہستہ آہستہ ان قبروں کو مسمار کر کے ان کی زیارت سے لوگوں کو روکا جائے۔ اس سلسلے میں ایک مفید پروگرام یہ بھی ہے کہ ان مراکز کی اصلیت کے بارے میں لوگوں کو مشتبہ کیا جائے مثلاً یہ کہا جائے کہ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد النبی میں مدفون نہیں ہیں بلکہ اپنی والدہ گرامی کی قبر میں سو رہے ہیں اور اسی طرح تمام بزرگانِ دین کے بارے میں کہا جائے کہ وہ ان مقامات پر نہیں جن مقامات کو ان سے منسوب کیا گیا ہے۔ حضرت ابوبکر و عمر دونوں جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ حضرت عثمان کی قبر کا کہیں پتا نہیں ہے۔ حضرت علی کی آرام گاہ بصرہ میں اور وہ قبر جو نجف اشرف میں مسلمانوں کی زیارت گاہ ہے دراصل اس میں مغیرہ بن شعبہ دفن ہیں۔ امام حسین (علیہ السلام) کا سر اقدس مسجد 'حنانہ' میں دفن ہے اور آپ کے جسد اقدس کی تدفین کے بارے میں صحیح اطلاع نہیں ہے۔ کاظمین کی مشہور زیارت گاہ میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور امام تقی علیہ السلام کی بجائے دو عباسی خلیفہ دفن ہیں۔ مشہد میں امام رضا علیہ السلام نہیں بلکہ ہارون الرشید دفن ہے۔ سامرہ میں بھی امام نقی علیہ السلام اور امام حسن عسکری علیہ السلام کی بجائے عباسی خلفاء دفن ہیں۔ ہمیں بقیع کے قبرستان کے سلسلے میں کوشش کرنی چاہئے کہ وہ خاک یکساں ہو جائے اور تمام اسلامی ممالک کی زیارت گاہیں ویرانوں میں بدل دی جائیں۔

۱۶ ...... خاندانِ رسالت سے اہل تشیع کی عقیدت و احترام ختم کرنے کیلئے جھوٹے اور بناوٹی سادات پیدا کئے جائیں اور اس کام کیلئے ہمیں چند تنخواہ دار افراد کی ضرورت ہے جو عماموں کے ساتھ لوگوں میں ظاہر ہوں اور اپنے آپ کو اولادِ رسول سے نسبت دیں۔ اس طرح وہ لوگ جو ان کی حقیقت سے واقف ہیں آہستہ آہستہ حقیقی سادات سے برگشتہ ہو جائیں گے اور اولادِ رسول پر شک کرنے لگیں گے۔ دوسرا کام ہمیں یہ کرنا ہوگا کہ ہم حقیقی سادات اور علمائے دین کے سروں سے ان کے عمامے اُتروائیں تاکہ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستگی ختم ہو اور لوگ علماء کا احترام چھوڑ دیں۔

۱۷ ...... امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کے مراکز کو ختم کر کے ان کو ویران کر دیا جائے اور یہ کام مسلمانوں کو گمراہی کی راہ سے روکنے اور دین کو بدبختی اور نابودی سے بچانے کے عنوان سے ہونا چاہئے۔ اپنی تمام کوششوں کو بروئے کار لا کر لوگوں کو مجالس عزا میں جانے سے روکنے کی کوشش کی جائے اور عزاداری کو بتدریج ختم کیا جائے۔ اس کام کیلئے امام بارگاہوں کی تعمیر اور علماء ذاکرین کے انتخاب کی شرائط کو سخت بنایا جائے۔

۱۸ ...... آزاد خیالی اور چون و چراں والی کیفیت کو مسلمانوں کے اذہان میں راسخ کرنا چاہئے تاکہ ہر آدمی آزادانہ طور پر سوچنے کے قابل ہو اور ہر کام اپنی مرضی سے انجام دے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب نہیں۔ احکام شریعت کی ترویج کا عمل متروک ہونا چاہئے۔ اگر امر بالمروف اور نہی عن المنکر کو واجب سمجھا جائے تو بھی یہ کام بادشاہوں کا ہے۔ عوام الناس کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

۱۹ ...... نسل کو کنٹرول کیا جائے اور مرد کو ایک سے زیادہ بیوی اختیار کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ نئے قوانین وضع کر کے شادی کے مسئلہ کو دشوار بنایا جائے مثلاً عرب مرد ایرانی عورت سے اور ایرانی مرد کو عرب عورت سے شادی کی اجازت نہ دی جائے۔ اس طرح ترک ایرانیوں سے شادی نہیں کر سکیں گے۔

۲۰ ...... اسلامی تعلیمات کی آفاقیت کے مسئلہ کو محکم دلائل سے رد کیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ اسلام اصولاً دین ہدایت نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق صرف ایک قبیلہ اور ایک قوم سے ہے جیسا کہ قرآن نے اقرار کیا ہے 'یہ دین تمہاری اور تمہارے قبیلے کی ہدایت کیلئے ہے'۔ (سورہ زخرف: ۴۴)

۲۱ ...... مساجد، مدارس، تربیتی مراکز اور اچھی بنیادوں پر قائم ہونے والی تعمیرات سے متعلق اسلام کی تمام سنتوں کو کالعدم یا کم از کم محدود کر دیا جائے۔ اس قسم کے امور کا تعلق علماء سے نہیں بلکہ سربراہان مملکت سے ہے اور جب حکومتیں اس قسم کا کام انجام دیں گی تو ازخودان کی دینی قدر و قیمت جاتی رہے گی۔

۲۲.....ضروری ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود قرآن میں کمی بیشی کر کے لوگوں کو شک میں مبتلا کیا جائے۔ خاص طور پر کفار اور یہود و نصاریٰ کے بارے میں توہین آمیز آیات، امر بالمعروف اور جہاد سے متعلق آیتوں کو قرآن سے حذف کیا جائے اور قرآن کو ترکی اور فارسی زبانوں میں ترجمہ کر کے بازاروں میں لایا جائے۔ غیر عرب مسلم حکومتوں کو ترغیب دی جائے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں قرآن، اذان اور نماز کو عربی زبان میں پڑھنے سے پرہیز کریں۔ دوسرا مسئلہ احادیث و روایات میں تشکیک پیدا کرنا ہے اور قرآن کی طرح اس میں بھی تحریف و ترجمہ سے کام لینا ہے۔

مختصر یہ کہ اس دوسری کتاب میں بھی مجھے بڑی کارآمد چیزیں دکھائی دیں۔ اس کتاب کا نام 'اسلام کو کیونکر صفحۂ ہستی سے مٹایا جائے گا' رکھا گیا تھا۔ اس میں وہ بہترین عملی پروگرام تھے جن پر مجھے اور میرے دیگر ساتھیوں کو کام کرنا تھا۔ اس کتاب نے مجھ پر بڑا اثر قائم کیا تھا۔ کتاب کے مطالعے کے بعد میں اسے واپس کرنے نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت پہنچا جہاں دوسری مرتبہ سیکرٹری سے میری ملاقات ہوئی۔ اس نے مجھے مخاطب ہو کر کہا، جن اُمور کو تمہیں انجام دینا ہے اس میں تم اکیلے نہیں ہو بلکہ تقریباً پانچ ہزار سچے اور کھرے افراد مختلف گروہوں کی صورت میں تمام اسلامی ممالک میں تمہاری مدد کیلئے آمادہ ہیں۔ نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت کا خیال ہے کہ وہ کام کی پیش رفت کے ساتھ ساتھ ان افراد کی تعداد میں اضافہ کر کے انہیں ایک لاکھ تک پہنچا دے۔ جب بھی ہمیں اس عظیم گروہ کی تشکیل میں کامیابی ہوئی یقیناً ہم تمام عالم اسلام پر چھا جائیں گے اور اسلامی آثار کو مکمل طور پر مٹا دیں گے۔

سیکرٹری نے کہا، میں تمہیں یہ خوشخبری دیتا ہوں کہ ہم آئندہ ایک صدی میں اپنی مراد کو پہنچ جائیں گے اور اگر آج ہماری نسل اس کامیابی کو نہ دیکھ سکے گی تو ہماری اولادیں ضرور یہ اچھے دن دیکھیں گی اور ایرانی ضرب المثل کتنی معنی خیز ہے جس میں کہا گیا ہے 'کل دوسروں نے بویا ہم نے کھایا۔ آج ہم بو رہے ہیں کل دوسرے کھائیں گے'۔ جس وقت بھی عظیم برطانیہ یا (سمندروں کی ملکہ) کو اسلامی ممالک پر فتح مندی نصیب ہوئی دنیائے مسیحیت ان تمام تکالیف سے نجات پا جائے گی جسے وہ بارہ صدیوں سے برداشت کر رہی ہے۔ مسلمانوں نے اس عرصہ میں ہم پر بڑی جنگیں مسلط کیں جن میں صلیبی جنگیں بطور مثال ہیں۔ یہ جنگیں بالکل مغلوں کی یلغار کی طرح بے مقصد تھیں کہ جہاں سوائے قتل و غارتگری، ویرانی و تباہی اور لوٹ مار کے کوئی مقصد نہیں تھا لیکن اسلام کے خلاف ہماری جنگ مغلوں کی طرح محض فوجی کارروائیوں اور قتل و غارت گری پر منحصر نہیں ہے۔ ہمیں اس کام میں جلدی بھی نہیں ہے۔ عظیم برطانیہ کی حکومت اسلام کو مٹانے کیلئے پورے مطالعے کیساتھ آگے بڑھے گی اور بڑے صبر و تحمل کے ساتھ اپنے عظیم کاموں کو بروئے کار لائے گی اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوگی البتہ ہم ضروری مواقع پر فوجی کارروائیوں سے بھی دریغ نہیں کریں گے مگر یہ اس صورت میں ہوگا جب ہم اسلامی حکومتوں پر پوری طرح چھا جائیں گے اور کچھ عناصر ہماری مخالفت پر اُتر آئیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ استنبول کے حکمران بڑی ہوشمندی اور فراست کے مالک ہیں اور اتنی جلد ہمیں

اپنے پروگراموں میں کامیاب نہیں ہونے دیں گے لیکن ہمیں ابھی سے متوسط طبقے کے بچوں کو ان اسکولوں میں تربیت دینا ہے جو ہم نے ان کیلئے قائم کیے ہیں۔ ہمیں ان علاقوں میں متعدد چرچ بھی بنانے ہیں۔ شراب، جوا اور شہوت رانی کو اسطرح پھیلانا ہے کہ نوجوان نسل دین و مذہب کو بھول جائے۔ ہمیں اسلامی ممالک کے حکمرانوں کے درمیان اختلافات کی آگ کو بھی ہوا دینا ہے ہر طرف ہرج مرج اور فتنہ فساد کا بازار گرم کرنا ہے۔ ارکانِ حکومت اور صاحبانِ ثروت کو حسین و جمیل اور شوخ و چنچل عیسائی عورتوں کے دام میں پھنسانا ہے اور ان کی محفلوں کو ان پری وشوں سے رونق بخشنا ہے تاکہ وہ آہستہ آہستہ اپنے دینی اور سیاسی اقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ لوگ ان سے بدظن ہو جائیں اور اسلام کے بارے میں ان کا ایمان کمزور ہو جائے جس کے نتیجے میں علماء، حکومت اور عوام کا اتحاد ٹوٹ جائے اور ایسے حالات میں جنگ کی آگ بھڑکا کر ہم ان ممالک میں اسلام کی جڑیں اُکھاڑ پھینکیں گے۔

آخر کار نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت کے سیکرٹری نے اس دوسرے راز سے بھی پردہ اُٹھایا جس کا اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا اور میں شدت سے جس کے انتظار میں تھا اور یہ وہ قرارداد تھی جو حکومتِ برطانیہ کے اعلیٰ عہدیداروں نے منظور کی تھی۔ پچاس صفحات پر مشتمل یہ قرارداد نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت کی اس سیاست کی آئینہ دار تھی جس کے ذریعے اسلام اور اہل اسلام کو ایک صدی کے اندر اندر نابود کرنا تھا۔ اس رسالہ کی پیشن گوئی کے مطابق اس عرصے کے بعد اسلام ساری دنیا سے رُخصت ہو جائے گا اور تاریخ میں اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا۔ اس بات کی سختی سے تاکید کی گئی تھی کہ چودہ نکاتی قرارداد کے مضمون کو صیغۂ راز میں رکھا جائے اور یہ کسی عنوان سے ظاہر نہ ہونے پائے کیونکہ اس بات کا خطرہ تھا کہ مسلمانوں کو اس کی خبر ہو جائے اور وہ اس کی چارہ جوئی میں اُٹھ کھڑے ہوں تاہم مختصر طور پر اس کا مواد کچھ یوں تھا:۔

١ ...... تاجکستان، بخارا، ارمنستان، شمالی خراسان اور ماوراء النہر اور روس کے جنوب میں واقع مسلم آبادیوں پر اختیار حاصل کرنے کیلئے سلطنت روس سے وسیع پیمانے پر اشتراک عمل، اس کے علاوہ ایران کے سرحدی شہروں ترکستان اور آذربائیجان پر تسلط حاصل کرنے کیلئے روس کے ساتھ اشتراکِ عمل۔

٢ ...... اسلامی حکومتوں کو اندرونی اور بیرونی اعتبار سے پوری طرح تباہ کرنے کیلئے ایک منظم پروگرام کی تشکیل میں روس اور فرانس کے سلاطین کے ساتھ اشتراک عمل۔

٣ ...... عثمانی اور ایرانی حکومتوں کے دیرینہ تنازعات کو ہوا دینا اور ان کے درمیان قومی اور نسلی اختلافات کی آگ بھڑکانا۔ عراق اور ایران کے اطراف میں آباد قبیلوں میں قبائلی جنگیں اور شورشیں پیدا کرنا۔ ماقبل اسلام مذہب کی تبلیغ حتیٰ کہ ایران، مصر اور بین النہرین کے متروک اور مردہ ادیان کا احیاء اور ان کے پیروکاروں کو اسلام سے پھیر دینا۔

۴...... اسلامی ممالک کے شہروں اور دیہاتوں کے بعض حصوں کو غیر مسلم اقوام کے حوالے کرنا مثلاً مدینہ یہودیوں کو، اسکندریہ عیسائیوں کو، یزد پارسیوں کو، عمارہ صائبیوں کو، کرمان شاہ علی اللہیوں کو، موصل یزیدیوں کو اور بوشہر سمیت خلیج فارس کے قرب وجوار کے علاقے ہندوؤں کو سونپنا۔ ان دو آخر الذکر علاقوں میں پہلے اہل ہند کو بسانا ضروری ہے۔ اس طرح لبنان میں واقع طرابلس دروزیوں کے، قارص علویوں کے اور مسقط خوارج کے حوالے کرنا۔ یہی نہیں بلکہ مادی امداد، جنگی ساز وسامان اور فوجی اور سیاسی ماہرین کے ذریعے انہیں مضبوط بنانا بھی ضروری ہے تاکہ کچھ عرصہ کے بعد یہ اقلیتیں اہل اسلام کی آنکھوں میں کھٹکنے لگیں اور اسلام کا پیکر آزردہ ہوجائے اور علاقے میں بتدریج ان کا اثر ونفوذ مسلم حکومتوں کی تباہی کا سبب بن جائے اور اسلام کی ترقی پذیری میں رخنہ پڑ جائے۔

۵...... ہندوستان کی ایرانی اور عثمانی حکومتوں میں بھی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا قیام عمل میں آئے اور پھر پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو یا بہتر الفاظ 'پھوٹ ڈالو اور مٹادو' کے قانون پر عمل کرتے ہوئے انہیں ایک دوسرے سے بھڑا دیا جائے۔ اس صورت میں ایک طرف وہ آپس میں دست وگریباں ہوں گے اور دوسری طرف مرکزی حکومت سے بھی ان کے تنازعہ کا سامان فراہم رہے گا۔

۶...... ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اسلامی دنیا میں لوگوں کے افکار سے ہم آہنگی رکھنے والے من گھڑت عقائد ومذاہب کی تبلیغ مثلاً ائمہ اہل بیت (علیہم السلام) سے بے انتہا عقیدت واحترام رکھنے والے شیعوں کے حسین اللہی مذہب، امام جعفر صادق علیہ السلام کی ذات سے متعلق شخصیت پرستی، امام علی رضا علیہ السلام اور امام غائب (حضرت مہدی موعود) کے بارے میں مبالغہ آرائی اور ہشت امامی فرقہ کی ترویج۔ ہر مذہب کیلئے اس کے مناسب ترین مقام کی یہ صورت ہوگی حسین اللہ فرقہ (کربلا) امام جعفر صادق کی پرستش (اصفہان) امام مہدی علیہ السلام کی پرستش (سامرہ) اور ہشت امامی مذہب (مشہد)۔ ان جعلی مذاہب کی تبلیغ وترویج کا دائرہ صرف شیعہ مذہب تک ہی محدود نہیں ہونا چاہئے بلکہ اہل تسنن کے تمام فرقوں میں بھی اس قسم کے مذاہب کو ترویج دیا جانا چاہئے اور پھر ان میں اختلافات کو ہوا دے کر نفرت کا وہ بیج بونا چاہئے کہ ان کا ہر فرقہ اپنے آپ کو سچا مسلمان اور دوسرے کو کافر، مرتد اور واجب القتل سمجھے۔

۷...... زنا، لواطت، شراب نوشی اور جوا وہ اہم اُمور ہیں جنھیں مسلمانوں کے درمیان رائج کرنے کی ضرورت ہے۔ ان بری عادتوں کو مسلمانوں میں پھیلانے کیلئے علاقے کے ان لوگوں سے زیادہ مدد لینی چاہئے جو ماقبل اسلام دیگر مذاہب سے وابستہ تھے اور خوش قسمتی سے ان کی تعداد کچھ کم نہیں ہے۔

۸...... اہم اور حساس عہدوں پر غلط کار اور ناپاک افراد کا تقرر اور اس بات پر توجہ کہ ریاستوں کی سربراہی نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت سے وابستہ رہنی چاہئے تاکہ وہ انگلستان کی حکومت کیلئے کام کریں اور ان سے احکامات وصول کریں۔ پھر ان کا بااثر افراد کے ذریعے ہمارے مقاصد پوشیدہ طور پر قوت کے سہارے روبہ عمل آئیں البتہ ان کے چناؤ میں مسلم بادشاہوں کا ہاتھ ہوگا۔

۹...... غیر عرب مسلم ممالک میں عربی ثقافت اور زبان کے پھیلاؤ کو روکنا اور اس کی بجائے سنسکرت، فارسی، کردی، پشتو، اردو اور قومی زبانوں کو ان سرزمینوں پر رائج کرنا تا کہ علاقائی زبانیں رواج پا کر عربی زبان بولنے والے قبائل میں اتر آئیں اور فصیح عربی زبان کی جگہ اختیار کریں۔ اس طرح اہل عرب کا قرآن اور سنت سے رشتہ ٹوٹ جائے گا۔

۱۰...... حکومتی دفاتر میں مشیروں اور ماہروں کی حیثیت سے برطانوی عمال اور جاسوسوں کی تعیناتی میں اضافہ، اسطرح اسلامی ممالک کے وزراء اور امراء کے فیصلوں میں ہمارا رنگ شامل رہے گا۔ اس مقصد تک پہنچنے کیلئے سب سے بہتر راستہ یہ ہوگا کہ ہم پہلے ذہین اور معتمد غلاموں اور کنیزوں کو تعلیم و تربیت دیں اور پھر انہیں حکمرانوں، شاہزادوں، وزیروں، امیروں اور اہم درباری عہدوں پر فائز با اثر افراد کے ہاتھوں بیچ دیں۔ یہ غلام اپنی صلاحیتوں اور فہم و فراست کی بنیاد پر ان کے نزدیک اپنا مقام پیدا کریں گے اور آہستہ آہستہ انہیں مشاورت کا مقام حاصل ہو جائے گا۔ اس طرح مسلم رجال میں ان کا ایک انمٹ نقش قائم ہو جائے گا۔

۱۱...... مسلمانوں کے مختلف طبقوں خاص طور پر ڈاکٹروں، انجینئروں، حکومت کے مالی اُمور سے وابستہ عہدہ داروں اور ان جیسے دیگر روشن فکر افراد میں مسیحیت کی تبلیغ و ترویج، کلیساؤں، خصوصی اسکولوں اور کلیسا سے وابستہ شفاخانوں کی تعداد میں اضافہ، تبلیغی کتب و رسائل کی نشر و اشاعت اور متوسط طبقہ کے لوگوں میں ان کی مفت تقسیم، تاریخ اسلام کے مقابلہ پر تاریخ مسیحیت کی نگارش کا اہتمام، مسلمانوں کے حالات و کیفیات اور ان میں حکومت برطانیہ کے عمال اور جاسوسوں کا تقرر البتہ ان کا دائرہ عمل اسلامی ممالک میں دیر و کلیسا ہی ہوں گے۔ ان عالم نما عیسائیوں میں بعض کا کام یہ ہوگا کہ وہ مستشرق اور اسلام شناس بن کر تاریخی حقائق میں تحریف کریں اور انہیں برعکس دکھانے کی کوشش کریں اور پھر دلائل کی فراہمی اور اسلامی ممالک سے ضروری اطلاعات حاصل کرنے کے بعد ایسے مقالے تیار کریں جو اسلام کے نقصان اور عیسائیت کے فائدے میں ہوں۔

۱۲...... مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں میں خودسری اور مذہب سے بیزاری کی ترویج اور انہیں اسلام کے اصول و مبانی کی سچائی کے بارے میں بدظن کرنا اور یہ کام مشنری اسکولوں، اخلاق باختہ اور اسلام دشمنی پر مبنی کتابوں، عیش و نوش اور خوش باشی کا سامان فراہم کرنے والے کلبوں اور غلط بنیادوں پر استوار مسلم اور غیر مسلم نوجوانوں کی دوستی کے ذریعے انجام پا سکتا ہے۔ مسلم نوجوانوں کو پھانسنے کیلئے یہودی اور مسیحی نوجوانوں کی شراکت سے خفیہ انجمنوں کی تاسیس۔

۱۳...... اسلام کو کمزور کرنے، مسلمانوں کے اتحاد کو توڑنے اور انہیں زندگی کے مسائل کے بارے میں سوچنے اور ترقی کی راہ میں آگے بڑھنے سے روکنے کیلئے اسلامی ممالک میں اندرونی اور بیرونی طور پر شورشیں پیدا کرنا اور مسلمانوں کو ایک دوسرے یا پھر دیگر ادیان کے پیروکاروں سے بھڑائے رکھنا۔ قومی دولت، مالی ذخائر اور فکر و فہم کی قوتوں کو تباہی سے دوچار کرنا، مسلمانوں میں روح عمل اور ولولہ انگیزی کو ختم کرنا اور ان میں انتشار پیدا کرنا۔

١٤......اسلامی ممالک کے اقتصادی نظام کو درہم برہم کرنا جس میں زراعت اور آمدنی کے تمام ذرائع شامل ہیں۔ اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے بندوں میں شگاف پیدا کرنا، دریاؤں میں ریت کی سطح اونچی کرنا، لوگوں میں سستی، سہل انگاری اور تن آسانی کو فروغ دینا، پیداوار اور تولیدی اُمور کی طرف سے لوگوں کی بے توجہی کو تقویت دینا اور عوام کو منشیات کا عادی بنانا ضروری ہے۔ [1]

اس بارے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مذکورہ چودہ نکات انتہائی شرح و بسط کے ساتھ ضبط تحریر میں لائے گئے تھے اور ان کے ساتھ نقشے، علامتیں اور تصویریں بھی تھیں۔ میں نے یہاں اشارۃً ان کی نشاندہی کی ہے۔ مختصر یہ کہ نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت کے سیکرٹری سے اس بھروسے کی بنیاد پر جو اس نے میری ذات سے وابستہ کر رکھی تھی اور جس کے زیر اثر اس نے مجھے اتنی اہم اور خفیہ کتاب پڑھنے کو دی تھی۔ میں نے دوسری بار بصد احترام اظہار تشکر کیا اور مزید ایک مہینہ لندن میں رہا۔ اسکے بعد وزیر کی طرف سے مجھے عراق جانے کا حکم ملا۔ میرا یہ سفر صرف اس مقصد کیلئے تھا کہ میں محمد بن عبدالوہاب کو نئے دین کے اظہار کی دعوت پر آمادہ کروں۔ سیکرٹری نے بار بار مجھے تاکید کی کہ میں اس کے ساتھ بڑی رعایت اور ہوشیاری کے ساتھ پیش آؤں اور مقدمات امور کی آمادگی میں ہرگز حدِ اعتدال سے آگے نہ بڑھوں کیونکہ عراق و ایران سے موصول ہونے والی رپورٹوں کی بنیاد پر سیکرٹری کو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ محمد بن عبدالوہاب قابل بھروسہ اور نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت کے پروگراموں کو روبہ عمل لانے کیلئے مناسب ترین آدمی ہے۔

اس کے بعد سیکرٹری نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا، تمہیں محمد بن عبدالوہاب کے ساتھ بالکل واضح اور دوٹوک الفاظ میں گفتگو کرنی ہے کیونکہ ہمارے عمال اصفہان میں اس سے بڑی صراحت کیساتھ پہلے ہی گفتگو کر چکے ہیں اور وہ ان باتوں کو مان چکا ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ اسے عثمانی حکومت کے مقامی، علماء اور متعصب لوگوں کے ہاتھوں آنے والے خطرات سے بچا لیا جائے اور اس کی حمایت اور تحفظ کا بھرپور انتظام کیا جائے کیونکہ اس کی دعوت کے ظاہر ہوتے ہی ہر طرف سے اسے ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی اور خطرناک صورتوں میں اس پر حملے کئے جائیں گے۔

حکومت برطانیہ نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کو اسلحے سے اچھی طرح لیس کرنے کے بعد ضرورت کے موقع پر اس کی مدد کی تائید بھی کی تھی اور شیخ کی مرضی کے مطابق جزیرۃ العرب میں واقع نجد کے قریب علاقے کو اس کی حاکمیت کا پہلا مقام قرار دیا تھا۔

شیخ کی موافقت کی خبر سن کر میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور میں نے سیکرٹری سے صرف یہ سوال کیا کہ میری آئندہ کی ذمہ داریاں کیا ہوں گی؟ مجھے اس کے بعد کیا کرنا ہوگا اور شیخ سے کس قسم کا کام لینا ہوگا۔ نیز یہ کہ میں اپنے فرائض کا کہاں سے آغاز کروں؟

---

[1] اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو آج مسلمان زیادہ تر سازشوں کا شکار ہو چکے ہیں اور یہی چیز تنزلی کا باعث بن رہی ہے۔

سیکرٹری نے جواب دیا، نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت نے تمہارے فرائض کو بڑی وضاحت سے متعین کیا ہے اور وہ ان امور کی نگرانی ہے جسے شیخ کو تدریجاً انجام دینا ہے، وہ یہ ہیں:۔

۱......اس کے مذہب میں شمولیت اختیار نہ کرنے والے مسلمانوں کی تکفیر اور ان کے مال، عزت اور آبرو کی بربادی کو روا سمجھنا، اس ضمن میں گرفتار کیے جانے والے مخالفین کو بردہ فروشی کی مارکیٹ میں غلام وکنیز کی حیثیت میں بیچنا۔

۲...... بت پرستی کے بہانے بصورت امکان خانہ کعبہ کا انہدام اور مسلمانوں کو فریضہ حج سے روکنا اور حاجیوں کے جان ومال کی غارتگری پر قبائل عرب کو اکسانا۔

۳......عرب قبائل کو عثمانی خلیفہ کے احکامات سے سرتابی کی ترغیب دینا اور ناخوش لوگوں کو ان کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنا۔ اس کام کیلئے ایک ہتھیار بند فوج کی تشکیل۔ اشرافِ حجاز کے احترام اور اثر ونفوذ کو توڑنے کیلئے انہیں ہر ممکن طریقے سے پریشانیوں میں مبتلا کرنا۔

۴...... پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ان کے جانشینوں اور کلی طور پر اسلام کی برگزیدہ شخصیتوں کی اہانت کا سہارا لے کر اور اسی طرح شرک و بت پرستی کے آداب و رسوم کو مٹانے کے بہانے مکہ، مدینہ اور دیگر شہروں میں جہاں تک ہوسکے مسلمانوں کی زیارت گاہوں اور مقبروں کی تاراجی۔

۵...... جہاں تک ممکن ہوسکے اسلامی ممالک میں فتنہ وفساد، شورش اور بدامنی کا پھیلاؤ۔

۶......قرآن میں کمی بیشی پر شاہد احادیث وروایات کی رو سے ایک جدید قرآن کی نشر واشاعت۔

سیکرٹری نے اپنے اس چھ نکاتی پروگرام کی تشریح کے بعد سے شیخ محمد بن عبدالوہاب کو انجام دینا تھا اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا، کہیں اس پروگرام کی دشواریاں تمہیں گھبراہٹ میں مبتلا نہ کردیں۔ ہم سب کا یہ فرض ہے کہ اسلام کی تباہی کا بیج اس سرزمین پر بکھیر دیں تاکہ ہماری آئندہ نسلیں اس راہ پر آگے بڑھیں اور کسی فیصلہ کن نتیجے پر پہنچ سکیں۔ برطانیہ کی حکومت ہماری اس صبر آزما دراز مدت کوششوں سے واقف ہے۔ کیا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے یکہ وتنہا اپنے اس تباہ کن انقلاب کو برپا نہیں کیا۔ محمد بن عبدالوہاب بھی (نعوذ باللہ) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی طرح ہمارے پیش نظر انقلاب کو شعلہ ور کرسکے گا۔

اس ملاقات کے کچھ دن بعد میں نے وزیر اور سیکرٹری سے سفر کی اجازت چاہی اور پھر گھر والوں اور دوستوں کو الوداع کیا۔ گھر سے نکلتے ہوئے میرے چھوٹے لڑکے نے ملتجانہ لہجے میں کہا 'بابا جلدی گھر آیئے گا'۔ اس کے اس جملے نے میری آنکھیں نم آلود کردیں اور میں ان اشکوں کو اپنی بیوی سے نہ چھپاسکا۔

ہمارا جہاز بصرہ کی سمت روانہ ہوا۔ بڑے دشوار اور سخت سفر کے بعد رات کے وقت بصرہ پہنچا اور سیدھا عبدالرضا ترکھان کے گھر پہنچا۔ وہ بیچارا سو رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی بہت خوش ہوا اور بڑی گرمجوشی سے میرا استقبال کیا۔ میں نے رات وہاں کاٹی۔ دوسری صبح مجھے عبدالرضا سے معلوم ہوا کہ شیخ محمد عبدالوہاب کچھ عرصہ پہلے ایران سے بصرہ پہنچا اور ابھی چند دن پہلے کسی نامعلوم مقام کی طرف خدا حافظ کہہ کر گیا ہے۔ عبدالرضا نے یہ بھی بتایا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب میرے نام ایک خط بھی دے کر گیا ہے۔ اس خط میں اس نے اپنا پتا نجد کا لکھا تھا۔

دوسرے دن میں اکیلا عازم نجد ہوا اور بڑی زحمتوں کے بعد منزل مقصود پر پہنچا اور شیخ سے اس کے گھر پر ملا۔ اس کے چہرے پر تھکاوٹ اور کمزوری کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے اس موضوع پر اس سے گفتگو مناسب نہیں سمجھی لیکن جلد ہی مجھے پتا چل گیا کہ اس نے دوسری شادی رچالی ہے اور جنسی روابط میں افراط سے کام لے کر اپنی طاقت کھو بیٹھا ہے۔ میں نے اس بارے میں اسے نصیحتیں کیں اور بتایا کہ ابھی ہم دونوں نے مل کر بہت سے اُمور انجام دینے ہیں۔ اس منزل پر ہم نے یہ طے کیا کہ میں اپنے آپ کو 'عبداللہ' کے فرضی نام سے بطورِ غلام پیش کروں گا اور بتاؤں کہ شیخ محمد عبدالوہاب نے مجھے بردہ فروشوں کے گروہ سے خریدا ہے چنانچہ شیخ نے لوگوں سے میرا اسی عنوان سے تعارف کرایا اور بتایا کہ بصرہ میں اس کے کام سے ٹھہرا ہوا تھا اب یہاں نجد پہنچا ہوں۔

نجد کے رہنے والے مجھے شیخ محمد عبدالوہاب کا غلام سمجھتے تھے۔ یہاں یہ بھی بتانا ضروری ہوگا کہ اس مقام پر شیخ کی دعوت کا سامان فراہم کرنے میں ہمیں دو سال کا عرصہ لگا۔ ۱۱۴۳ھ کے اوسط میں محمد بن عبدالوہاب نے جزیرۃ العرب میں اپنے نئے دین کے اعلان کا حتمی ارادہ کیا اور اپنے دوستوں کو اکٹھا کیا جو اس کے ہم خیال تھے اور اس کا ساتھ دینے کا وعدہ کر چکے تھے۔ ابتداء میں صرف اپنے خاص اصحاب اور مریدوں کے دائرہ میں چند مبہم اور غیر واضح الفاظ میں بڑے اختصار کے ساتھ اس دعوت کا آغاز ہوا لیکن کچھ عرصہ کے بعد نجد کے ہر طبقہ کے افراد کو بڑے پیمانے پر دعوت نامے بھیجے گئے۔ آہستہ آہستہ ہم نے پیسہ کے زور پر شیخ کے افکار کی حمایت میں ایک بڑا مجمع اکٹھا کیا اور انہیں دشمنوں سے نبرد آزما ہونے کی تلقین کی۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جزیرۃ العرب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ اس کے مخالفوں کی تعداد بھی بڑھنے لگی۔

جلد ہی رکاوٹوں اور دشمنیوں کا سلسلہ اس منزل تک پہنچا کہ شیخ کے پاؤں اُکھڑنے لگے۔ خاص طور پر نجد میں اس کے خلاف بڑی خطرناک باتیں پھیلی ہوئی تھیں۔ میں نے بڑی قاطعیت کے ساتھ اسے جمے رہنے کی ترغیب دی اور اس کے ارادے کو سست نہیں ہونے دیا۔ میں ہمیشہ محمد بن عبدالوہاب سے کہتا تھا، بعثت کے ابتدائی دنوں میں اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمن تمہارے دشمنوں سے بدرجہا زیادہ طاقتور تھے مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی پیدا کردہ دشواریوں اور مصیبتوں کو بڑے تحمل کے ساتھ جھیلتے رہے۔ ان اذیتوں، تہمتوں اور دشنام طرازیوں کے سہے بغیر کسی بڑی راہ پر گامزن ہونا اور بلندیوں کو چھونا ناممکن ہے۔ کوئی پیشوا اور کوئی رہبر ان دشواریوں سے دامن نہیں چھڑا سکتا۔

اس طرح ہم نے اپنی جدو جہد کا آغاز کیا اور خطرناک دشمنوں کے مقابل آئے۔ ہمارے کامیاب پروگراموں میں ایک پروگرام شیخ محمد عبدالوہاب کے دشمنوں کو پیسے کے ذریعے توڑنا تھا۔ ہمارے یہ تنخواہ دار اب مخالفین کی صف میں رہ کر ہمارے لئے جاسوسی کرتے تھے اور ان کے ارادوں سے ہمیں آگاہ رکھتے تھے۔ ہم ان بظاہر دشمن ساتھیوں کے ذریعے مخالفین کی تمام اسکیموں کو نقش بر آب کیا کرتے تھے۔ مثلاً ایک بار میں نے سنا چند آدمیوں کے ایک گروہ نے شیخ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ میں نے فوری اقدامات کے ذریعے اس قتل کی سازش کو ناکام بنایا اور اس گروہ کو اتنا رسوا کیا کہ بات شیخ محمد بن عبدالوہاب کے حق میں تمام ہوئی اور لوگوں نے دہشت گردوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔

آخر کار شیخ محمد بن عبدالوہاب نے مجھے یہ اطمینان دلایا کہ وہ نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کے چھ نکاتی پروگرام کو روبہ عمل لانے میں اپنی پوری کوشش کرے گا۔ تاہم اس نے دو نکات کے بارے میں خاطر خواہ جواب نہیں دیا۔ ان میں سے ایک مکہ پر تصرف حاصل کرنے کے بعد خانہ کعبہ کا انہدام تھا۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے نزدیک یہ ایک بیہودہ اور خطرناک کام تھا کیونکہ اہل اسلام اتنی جلدی اس کے دعوے کو تسلیم کرنے والے نہیں تھے اور یہی صورت حج کو بت پرستی قرار دینے کی تھی۔ دوسرا امر جو اس کے بس سے باہر تھا وہ ایک جدید قرآن کی نگارش تھی۔ وہ قرآن کے مقابل نہیں آنا چاہتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مکہ اور استنبول کے حکام سے خائف تھا اور کہتا تھا کہ اگر میں نے کعبہ کو ڈھا دیا اور نئے قرآن کی نگارش کی تو اس بات کا خطرہ ہے کہ عثمانی حکومت ایک بڑی فوج میری سرکوبی کیلئے عربستان بھیجے اور ہم اس پر پورے نہ اُتر سکیں۔ میں نے اس کے عذر کو معقول سمجھا اور اندازہ لگایا کہ اس دور کی سیاسی اور مذہبی فضا اس بات کی متقاضی نہیں ہے۔

محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کے برسوں کے بعد جب چھ نکاتی پروگرام کامیابی کو پوری منزلیں طے کر چکا تو نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت نے ارادہ کیا کہ اب سیاسی اعتبار سے بھی جزیرۃ العرب میں کوئی کام ہونا چاہیے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے عمال میں سے محمد بن سعود[1] کو محمد بن عبدالوہاب کے ساتھ اشتراکِ عمل پر مامور کیا اور اس کام کیلئے محمد بن عبدالوہاب کے پاس خفیہ طور پر ایک نمائندہ بھیجا تا کہ اس کے سامنے حکومت برطانیہ کے مقاصد کی توضیح کرے اور محمدین (یعنی محمد بن عبدالوہاب اور محمد بن سعود) کے اشتراکِ عمل کی ضرورت پر زور دے اور تاکید کرے کہ دینی اُمور کے کلی طور پر محمد بن عبدالوہاب کے ہاتھ میں ہوں گے اور سیاسی امور کی نگرانی محمد بن سعود کی ذمہ داری ہوگی۔ نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کا ہدف مسلمانوں کے جسم و جان دونوں پر اپنا اثر و نفوذ قائم کرنا تھا اور تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ سیاسی حکومتیں زیادہ دیرپا اور طاقتور رہی ہیں۔

---

[1] سعودی خاندان کا مورث اعلیٰ جس نے ۱۱۵۷ھ میں وہابی مذہب اختیار کیا اور حکومت برطانیہ کی طرف سے نجد کا حکمران بنا اور ۱۱۷۹ھ میں موت سے ہمکنار ہوا۔

مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ نو آبادیاتی علاقوں کے وزیر نے لندن کے ایک مشہور پادری اور 25 دیگر مذہبی سربراہوں کے ساتھ اجلاس منعقد کیا جو پورے تین گھنٹے تک جاری رہا اور جب یہاں بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوسکا تو پادری نے حاضرین سے مخاطب ہوکر کہا، آپ لوگ اپنی ہمتیں پست نہ کریں، صبر اور حوصلہ سے کام لیں، عیسائیت تین سو سال کی زحمتوں اور در بدری کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کی شہادت کے بعد عالمگیر ہوئی۔ ممکن ہے آئندہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نظر عنایت ہم پر ہو اور ہم تین سو سال بعد کافروں کو نکالنے میں کامیاب ہوں۔ پس ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے آپ کو محکم ایمان اور پائیدار صبر سے مزین کریں اور ان تمام وسائل کو بروئے کار لائیں جو مسلمان خطوں میں عیسائیت کی ترویج کا سبب ہوں۔ اگر اس میں ہمیں صدیوں کا عرصہ بھی گزر جائے تو گھبرانے کی کوئی بات نہیں، آباؤ اجداد اپنی اولاد کیلئے بیج بوتے ہیں۔

ایک دفعہ پھر نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت میں روس، فرانس اور برطانیہ کے اعلیٰ نمائندوں پر مبنی کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ کانفرنس کے شرکاء میں سیاسی وفود، مذہبی شخصیتیں اور دیگر مشہور ہستیاں شامل تھیں۔ حسن اتفاق سے میں بھی وزیر سے قریبی تعلقات کی بناء پر اس کانفرنس میں شریک تھا۔ موضوع گفتگو اسلامی ممالک میں سامراجی نظام کی ترویج اور اس میں پیش آنے والی دشواریاں تھا۔

شرکاء کا غور و فکر اس بات میں تھا کہ ہم کس طرح مسلم طاقتوں کو درہم برہم کر سکتے ہیں اور ان کے درمیان نفاق کا بیج بو سکتے ہیں۔ گفتگو ان کے ایمان کے تزلزل کے سلسلے میں تھی۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو اسی طرح راہ راست پر لایا جاسکتا ہے جس طرح اسپین کئی صدیوں کے بعد عیسائیوں کی آغوش میں چلا آیا تھا۔ کیا یہ وہی ملک نہیں تھا جسے وحشی مسلمانوں نے فتح کیا تھا؟ کانفرنس کے نتائج زیادہ واضح نہیں تھے۔ میں نے اس کانفرنس میں پیش آنے والے تمام واقعات کو اپنی کتاب "عظیم مسیح کی سمت ایک پرواز" میں بیان کر دیا ہے۔

حقیقتاً مشرق سے مغرب تک پھیلاؤ رکھنے والے عظیم اور تناور درخت کی جڑوں کو کاٹنا اتنا آسان کام نہیں۔ پھر بھی ہمیں ہر قیمت پر ان دشواریوں کا مقابلہ کرنا ہے کیونکہ عیسائی مذہب اسی وقت کامیاب ہوسکتا ہے جب ساری دنیا اس کے قبضہ میں آجائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے سچے پیروکاروں کو اس جہانگیری کی بشارت دی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کامیابی ان اجتماعی اور تاریخی حالات سے وابستہ تھی جو اس دور کا تقاضا تھا۔ ایران و روم سے وابستہ مشرق و مغرب کی سلطنتوں کا انحطاط دراصل بہت کم عرصے میں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کامیابی کا سبب بنا۔ مسلمانوں نے ان عظیم سلطنتوں کو زیر کیا، مگر اب حالات بالکل مختلف ہو چکے ہیں اور اسلامی ممالک بڑی تیزی سے روبہ زوال ہیں اور اس کے مقابلے میں عیسائی روز بروز ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ عیسائی مسلمانوں سے اپنا بدلہ چکائیں اور اپنی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ حاصل کریں۔ اس وقت سب سے بڑی عیسائی حکومت عظیم برطانیہ کے ہاتھ میں ہے جو دنیا کے طول و عرض میں اپنا سکہ جمائے ہوئے ہے اور اب چاہتا ہے کہ اسلامی مملکتوں سے نبرد آزمائی کا پرچم بھی اسی کے ہاتھ میں ہو۔

اس طرح دینی اور سیاسی شخصیتوں کے اتحاد پر عمل کے نتیجے میں انگریزوں کا بھلا ہو رہا تھا اور ہر آنے والا دن اس بھلائی میں اضافہ کر رہا تھا۔ ان دونوں رہبروں نے نجد کے قریب 'درعیہ شہر' کو اپنا پایہ تخت بنا لیا۔ نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت خفیہ طور پر دل کھول کر ان کی مالی اعانت کر رہی تھی مذکورہ وزارت کی پلاننگ کے تحت حکومت کو بظاہر کچھ غلام خریدنے تھے جو دراصل نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت ہی کے کچھ آدمی تھے جنہیں عربی زبان پر عبور حاصل تھا اور جو صحرائی جنگوں کے فنون سے بھی واقف تھے۔ ان تمام باتوں کا انتظام بھی ہماری حکومت نے کیا تھا۔ میں نے ان افراد کے اشتراک عمل سے جو تعداد میں گیارہ تھے اس اسلامی حکومت کی دینی اور سیاسی راہیں معین کیں۔ دونوں (شیخ محمد بن عبدالوہاب اور محمد بن سعود) اپنے فرائض سے بخوبی واقف تھے اور ان معین کی جانے والی راہوں پر نپے تلے قدموں سے آگے بڑھ رہے تھے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کبھی کبھار ان دونوں کے درمیان جوزی کشمکش ہو جایا کرتی تھی اور وہیں اس کا فیصلہ بھی ہو جایا کرتا تھا اور نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت کو اس میں دخل اندازی کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔

ہم نے نجد کے اطراف کی لڑکیوں سے شادیاں کیں۔ ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ مسلمان عورتوں میں محبت، خلوص اور شوہرداری کی صفت واقعی حیرت انگیز اور قابل تعریف ہے۔ ہم ان رشتوں کے ذریعے اہل نجد کے ساتھ دوستی، ہم دلی اور تعلقات کو اور زیادہ مضبوط بنا سکے۔ اس وقت ہم ان کے ساتھ دوستی کی معراج پر ہیں۔ مرکزی حکومت تمام جزیرۃ العرب میں اپنا اثر و نفوذ قائم کرنے میں کامیاب ہو چکی ہے۔ اگر کوئی ناگوار حادثہ رونما ہوا تو بہت جلد اسلامی سرزمینوں پر بکھیرے ہوئے یہ بیج تناور درختوں میں تبدیل ہو جائیں گے اور ہمیں ان سے اپنے مطلوب پھل حاصل ہوں گے۔

یہاں پر ہمفرے کے اعترافات اختتام پذیر ہوئے

برطانوی حکومت کا پروردہ فتنہ آہستہ آہستہ بڑھتا رہا اور حتی کہ لوگ اسلامی تعلیمات اور عقائد میں بعینہٖ اس طرح رخنہ اندازی کرنے لگے جس طرح کہ فرنگیوں نے چاہا تھا۔ آج بیشتر مسلمان اپنے بزرگوں کے عقائد بھول کر بدعقیدگی و گمراہی کی راہ چل رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکتوبات شریف سمجھ ہی نہیں آتے۔ انہیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب 'اخبار الاخیار' میں سچے عقائد کی جھلک نظر نہیں آتی اور حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب 'فیصلہ ہفت مسئلہ' سے جان بوجھ کر احتراز کیا جاتا ہے، تاکہ کہیں مسلمان متحد اور سچے عقائد والے پکے مسلمان نہ بن جائیں۔ علامہ اقبال نے اس خوفناک سازش کو اسی وقت محسوس کیا اور فرمایا کہ

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا ۔۔۔ روحِ محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کر فرنگی تخیلات ۔۔۔ اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

لیکن کچھ لوگ پھر بھی گمراہی کی دلدل میں پھنستے چلے گئے اور درحقیقت اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں نے تبلیغ، اصلاح اور تربیت کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے۔ اگر کچھ لوگوں نے تبلیغ کرنے کیلئے گھر سے نکلنے کا ارادہ کیا تو بھی انہیں اسی 'فرنگی جال' میں پھنسا کر بے بس کر دیا گیا، جنہوں نے اسلام کی روشنی دنیا بھر میں پھیلانے والے بزرگوں سے رہنمائی لینا تھی وہ انکے خلاف ہو گئے، جنہوں نے بزرگانِ دین سے روحانی فوائد حاصل کرنا تھے، وہ اس فائدے ہی کو شرک و بدعت تصور کرنے لگے لیکن اب اہلسنّت و جماعت کی اس بے بسی اور خاموشی کو توڑنے اور 'ہمفرے' کے مشن کو نقطہ انجام تک پہنچانے کیلئے حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی رحمہم اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کے زیر سایہ اور سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کرمانوالہ شریف کی زیر پرستی 'نقشبندی مجددی قافلے' ہر علاقے، ہر شہر اور ہر گلی سے نکلیں گے اور بھٹکے ہوئے مسلمانوں کو 'نجد کی اندھی کھائی' میں گرنے سے بچا کر مدینے والے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور پیش کر دیں گے تاکہ اللہ کریم جل شانہ ان پر رحم فرمائے۔

﴿ اِن شاءَ اللہ تعالیٰ عزّ وجل ﴾

نقوشِ محبت کی تلاش

ایک ایسی تحریر جسے سر کی آنکھوں سے نہیں بلکہ دل کی آنکھوں سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ (صلاح الدین محمود)

ترکوں نے حجاز پر اپنے دورِ حکومت کے دوران رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے لیکر آپ کے وصال مبارک تک کے ہر لمحے سے وابستہ ہر جسمانی، روحانی، تاریخی اور جمالیاتی کیفیت کو آئندہ نسلوں کے واسطے محفوظ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ یہ کام غیر شعوری سطح پر تو عہد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ سے جاری تھا مگر اب کوئی ایک ہزار برس گزر چکے تھے اور اب یہ ضروری تھا کہ ایک شعوری اور حتمی سطح پر یہ عمل ہو۔ اس کام کے واسطے جنون کی حد تک رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت اور انسانی حواس کی حدود تک نفاست اور ذہنی سچائی کی ضرورت تھی۔ یہ رحمت ترک لحن میں موجود تھی اسی واسطے وہ اس کام میں تقریباً مکمل کامیاب ہوئے تھے۔ ترکوں کا انسانیت پر یہ سب سے بڑا احسان ہے۔

ان کو علم تھا کہ جس خطہ زمین پر آپ کا نزول ہوا اور آپ کا پہلا قدم مبارک پڑا کہ جس ہوا کا پہلا سانس آپ کے اندر جذب ہوا اور جس نے آپ کی آواز کا گداز پہلی بار برداشت کیا کہ جس ہوا کی سہار سے پہلے پرندے کی پکار آپ تک آئی اور پھر جس خلا کے خم سے چاند اور سورج نے پہلی بار آپ کو اور آپ نے پہلی بار ان کو دیکھا کہ جہاں جہاں آپ کی بینائی میں نئے ستاروں کا وقوع ہوا اور جس جس طور پر آپ کی وسیع ہوتی آنکھوں نے ان کی دوہری حرکت کو واحد کر کے اپنے لہو میں سمویا کہ یہ قد آور لمحے، گوشے، چپے اور ہوا اور بینائی، صدا اور شنوائی کے نقش اول محض رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے نہیں، بلکہ آتی دنیا تک ہر نئے کلمہ گو کے لہو کا اول، ازلی، آبائی اور اصلی نشان ہیں۔ اس بات کا ان کو مکمل علم تھا، سو ان تمام چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے بھانپ پا کر اس بڑے ہوتے بچے میں بنو سعد کی خصلت اور محبت سے آغاز کرنے کا ارادہ کیا مگر سب سے پہلے انہوں نے مدینہ منورہ میں اس میدان کا تعین کیا کہ جہاں مرنے سے پہلے ایک خوبرو اور کم عمر نوجوان نے اپنے گھر سے دور بخار کی گرمی اور بے چینی کو مٹانے کے واسطے ایک شام چند لمحات کے واسطے گشت کیا تھا اور پھر اپنی کم سن، خوبصورت اور ہنس مکھ بیوہ اور ابھی ماں کے بدن ہی میں قائم بچے کو یتیم اور بے سہارا چھوڑ کر اپنی تمنائیں اپنے دل ہی میں لے کر مر گیا تھا۔

پھر انہوں نے ایک پہاڑ کی کوکھ میں اس چھوٹے سے گھر کا تعین بھی کیا کہ جس کی پہلی منزل پر شمال کی جانب قائم ایک چھوٹے سے بالکل چوکور کمرے میں کہ جہاں چار آئینوں کی اوٹ میں چہار سمتیں ملتی تھیں، ایک بچہ کہ جس کو کائنات کی امان تھی ظہور میں آیا تھا۔ پھر اس بچے کو ایک بزرگ انسان نے اپنے محنت اور سورج کملائے ہاتھوں سے اپنی ایک چادر میں لپیٹا تھا اور وہ پگڈنڈی طے کی تھی کہ جو اللہ کے گھر تک جاتی تھی۔ وہاں پہنچ کر اس ضعیف انسان نے چادر میں لپیٹے ہوئے نوزائیدہ بچے کو ہاتھوں میں رکھ کر کائنات کی جانب لیا تھا اور دعا کی تھی کہ اے خالق کائنات اس بچے پر رحم فرما، اس واسطے کہ یہ بے آسرا ہے۔ ترکوں نے اس شمالی کمرے اس آبائی پگڈنڈی اور اس دعا کے مقام کا بھی نہایت ہی کاوش سے تعین کر کے خاموش ریگستان کے سنگم پر اس جگہ کو بھی دریافت کر کے محفوظ کیا تھا کہ جہاں اس دعا کے کوئی چھ برس بعد اپنے جواں مرگ خاوند کی قبر سے واپسی پر اپنے چھ برس کے حیران بچے کی انگلی پکڑے پکڑے جب اس کم سن خاتون نے ایک رات کے واسطے پڑاؤ کیا تھا تو وفات پائی تھی۔

اگلے روز حیران آنکھوں والے اس چھ برس کے بچے نے اپنی ماں کا چہرہ کہ جس سے اب آہستہ آہستہ وہ مانوس ہو رہا تھا، آخری بار دیکھا تو اور پھر اپنی ماں کو اپنے کچے پکے ہاتھوں سے انجان خاک میں اُتار کر قافلے کے ساتھ اپنے مقدر کی جانب چل پڑا تھا۔ ترکوں نے اپنی مثالی درستگی، سادگی، صفائی اور خوش اسلوبی سے ایک کتبہ یہاں بھی چھوڑ دیا تھا کہ آنے والوں کو آگاہی ہو کہ معصوم دلوں کی اکیل ہی ہے کہ جوان کو وحدت کا ہمراز بناتی ہے۔

ان کا اگلا قدم اس راستے کا تعین کرنا تھا جس پر اس واقعے کے تین برس بعد یہ بچہ ایک ضعیف میت کے ساتھ ساتھ چار پائی کا پایا پکڑ کر سب کے سامنے بلک بلک کر روتا ہوا چلا تھا۔ اس کو شاید احساس تھا کہ آج کے بعد اس کی اکیل کائناتی وحدت کی اکیل ہے اور آج کے بعد شاید وہ کبھی کھل کر رو بھی نہ سکے گا۔ غرض یہ کہ ترکوں نے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت سے لے کر آپ کے وصال مبارک تک کے واقعات کو آنے والی نسلوں کے تاریخی، جمالیاتی اور ایمانی شعور کے واسطے درستگی اور سادگی کیساتھ محفوظ کرنے کا جو بیڑا اٹھایا تھا، اس میں وہ ایک بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ آپ کے بچپن سے جوانی تک کی سمتوں کا تعین کرنے کے بعد انہوں نے غار حرا کی چوٹی سے آسمانوں کو دیکھا اور پھر اس اونچے پہاڑ کی نشیبی وادی میں قائم شہر کے ایک گھر کے اس چھوٹے سے کمرے کا تعین کیا کہ جہاں حیرت پرے سے اپنے نام کی پکار سننے کے بعد واپس آ کر رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آرام فرمایا تھا اور جہاں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ پر اپنے مکمل اعتماد سے آپ کو اس حد تک حوصلہ دیا تھا کہ جب فتح مکہ کے بعد آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کہاں قیام کریں گے تو آپ نے خواہش ظاہر کی تھی کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر کے ساتھ آپ کا خیمہ نصب کیا جائے۔ بعض لوگوں کے استفسار پر کہ آخر ایک قبر کے کنارے ایک قبرستان میں کیوں؟ آپ نے فرمایا تھا، جب میں غریب تھا تو اس نے مجھ کو مالا مال کیا۔ جب انہوں نے مجھ کو جھوٹا ٹھہرایا تو صرف اس ہی نے مجھ پر اعتماد کیا اور جب سارا جہان میرے خلاف تھا تو صرف اس اکیلی ہی کی وفا میرے ساتھ تھی۔

ترکوں کے ماہرین نے پہلے اس گھر کا پھر اس گھر میں اس کمرے کا تعین کیا کہ جہاں مکمل اعتماد کا یہ بنیادی لمحہ گزرا تھا۔ یہاں یہ بیان کرنا شاید دلچسپی سے خالی نہ ہو کہ اس کمرے اور اس کے بارے میں کہ جہاں آپ کا ظہور ہوا تھا، عثمانی حکومت کی جانب سے جو جاری احکامات تھے، وہ کیا تھے؟ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر والے کمرے کے بارے میں جاری حکم تھا کہ ہر بار رمضان کا چاند دیکھتے ہی اس میں سفیدی کی جائے اور پھر فجر کی اذان تک خواتین با آواز بلند قرآن کی تلاوت کریں جبکہ حضرت عبدالمطلب کے گھر میں واقع اس شمالی کمرے کے بارے میں احکامات یہ تھے کہ پہلی ربیع الاول کو کمرے کے اندر سفید رنگ کیا جائے، رنگ ساز حافظ قرآن ہوں اور پھر ربیع الاول کی اس رات کو جب آپ کا ظہور ہوا، معصوم بچے اس کمرے کے اندر آئیں اور قرآن کی تلاوت کریں۔ اگلی صبح پرندے آزاد کرنے کا حکم اور رواج تھا۔

سو جہاں انہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان اور مقبرے کا تعین کیا، وہاں انہوں نے بنوارقم کی بیٹھک کو محفوظ، ورقہ بن نوفل کی دہلیز کو پختہ اور حضرت اُمِ ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آنگن کی نشاندہی بھی کروائی۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے مکے اور مدینے میں قائم ان ازلی قبرستانوں کو کہ جن میں خانوادۂ رسول کے بیشتر افراد، اصحاب کرام اور ان کے خاندان اور چیدہ ترین بزرگانِ دین قیامت کے منتظر سوتے تھے، صاف ستھرا اور پاک کروایا اور پھر نہایت ہی سلیقے سے قبروں کی نشاندہی کر کے مکمل نقشے مرتب کروائے۔

ان تمام کاروائیوں میں ترکوں کا طریقہ کار بہت موثر اور یکتا ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر جب ترک حجاز پہنچے تو مسجد بلال جو کہ خانہ کعبہ کے سامنے ایک پہاڑ پر واقعہ ہے، صدیوں کی غفلت کی وجہ سے تقریباً مٹی اور پتھر کا ڈھیر ہو چکی تھی۔ اس چھوٹی سی مسجد کو اسکے اصل خطوط پر دوبارہ تعمیر کرنے کے واسطے جو طریقہ اختیار کیا گیا، وہ یہ تھا۔ پہلے تمام مٹی کو الگ کر لیا گیا اور پھر تمام چونے کو اور اسکے بعد تمام اصلی پتھروں کو۔ اس کے بعد مٹی اور چونے کو پیس کر نہایت ہی باریک چھلنیوں سے چھان کر الگ الگ تیار کر لیا گیا۔ بجھے ہوئے چونے کا کیمیائی تجزیہ کر کے اس کے اجزاء معلوم کر لیے گئے۔ پھر ان اجزاء کے اصلی اور پرانے ماخذ دریافت کرنے کے بعد ایک ہی ماخذ کے نئے اور پرانے چونے کو ملا کر اور مزید طاقتور بنا کر چنائی کے واسطے استعمال کیا گیا تھا۔ پھر بھی اپنی تراش، کیفیت اور ساخت کو مدنظر رکھتے ہوئے تقریباً اسی طرح اور اسی جگہ نصب ہوئے کہ جہاں پہلی مرتبہ عہد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فوراً بعد نصب ہوئے تھے۔

اس طرح وہی مٹی، وہی گارا اور وہی چونا اور وہی پتھر بالکل اسی طرح استعمال ہوا جیسا کہ صدیوں پہلے مسجد کی تعمیر اول میں استعمال ہوا تھا۔ مسجد نئی بھی ہو گئی اور اپنے اصلی اور اس خطوط پر قائم بھی رہی۔ یہ ترکوں کے طریقہ کار کی محض ایک قدرے معمولی مثال ہے۔

جب 53 برس مکے میں بیت گئے اور زمین کی گردش اس شہر کو ایک بار پھر وہیں لے آئی جہاں وہ 53 سال گردشوں میں پہلے تھا۔ تو نئے ستاروں کا وقوع ہوا اور رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینے کا رخ کیا تھا۔ سو ترک بھی اس آبائی راستے پر چل نکلے تھے۔ غار ثور کو انہوں نے کچھ نہ کہا اور یہی مناسب سمجھا کہ نہ تو اس کے جالے صاف کریں اور نہ ہی کبوتروں کے صدیوں پرانے گھونسلوں کے جھاڑ جھنکاڑ کو کاٹیں یا ہٹائیں۔ غار ثور کو انہوں نے مکڑیوں اور کبوتروں کے سپرد ہی رہنے دیا کہ اب جائز طور پر وہی اس گوشے کے مالک اور حقدار تھے۔ غار حرا تک کی نہایت مشکل چڑھائی کو بھی انہوں نے آسان بنانے کی کوئی کوشش نہ کی تا کہ چڑھنے والوں کو چوٹی تک پہنچنے کے جتن کا احساس برابر ہوتا رہے۔ ہاں اتنا ضرور کیا کہ دو تہائی چڑھائی پر ایک نہایت سادہ سی ناند بنادی تا کہ بارش کا پانی کبھی کبھی جمع ہو سکے اور بچے، بوڑھے اور عورتیں اگر چاہیں تو چڑھائی کے دوران پیاس بجھا سکیں۔

اس کے بعد انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر سے لے کر مدینے کے اطراف میں قائم بنونجار کی کچی بستی تک ہجرت کے راستے کا حتمی تعین کر کے نقشہ مرتب کیا۔ ترک جب حجاز پہنچے تو بنونجار تتر بتر ہو چکے تھے۔ پھر بھی ترکوں نے بچے کچھے لوگوں کو تلاش کیا اور سینہ بہ سینہ محفوظ، ان کے لوک گیتوں کو پہلی بار قلم بند کر کے قاعدہ محفوظ کیا۔ مسجد قبا کو نہایت ہی ہنر سے بحال کرنے کے بعد وہ کچھ دیر اس کنویں کی منڈیر پر بھی ستانے کو بیٹھے کہ جہاں ہجرت کے بعد پہلی نماز ادا کر کے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا اور جس کو دیکھ کر آپ نے اونچے ہوتے پانی میں اپنے چہرے کا شفاف عکس دیکھ کر پہلے ایک لمحہ توقف اور پھر مسرت کا اظہار فرمایا تھا۔

اس کنوئیں سے اب راستہ مدینے کو جاتا تھا۔ مدینے کے اس میدان تک جاتا تھا کہ جہاں آپ کی آمد سے کوئی 53 برس پہلے ایک شام مرنے سے پہلے ایک خوبرو اور کم عمر نوجوان نے اپنے گھر سے دور اپنے بخار کی گرمی اور بے چینی کو مٹانے کیلئے چند لمحات کے واسطے گشت کیا تھا اور پھر اپنی کم سن، خوبصورت اور نفس مکھ بیوی اور ابھی ماں کے بدن ہی میں قائم بچے کو یتیم کیا اور بے سہارا چھوڑ کے اپنی تمنائیں اپنے دل ہی میں لئے فوت ہو گیا تھا۔ ایک بار پھر وہی میدان تھا۔ مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اب یہاں تعمیر ہونا تھا۔ مسجد نبوی کی تعمیر بھی ایمان، ہنر مندی، پاکیزگی اور نفاست کی ایک عجیب اور انوکھی داستان ہے۔

پہلے پہل برسوں تک تو ترکوں کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ مسجد نبوی کو تعمیر کریں۔ ان کے نزدیک یہ ایک کائناتی اور انسانی حدود سے ماورا طاقتوں کے بس کا عمل تھا اور وہ محض انسان تھے۔ مگر جب انسان سچی محبت کرتا ہے تو وہ اپنے آپ سے باہر قدم دھرنے کی ہمت بھی پا جاتا ہے۔ سو اپنی محبت کی سچائی کے سہارے انہوں نے یہ کام شروع کرنے کا ارادہ کیا۔ ترکوں نے اپنی وسیع سلطنت اور بھرپور عالم اسلام میں اپنے اس ارادے کا اعلان کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ اعلان بھی کیا کہ اس حتمی کام کے واسطے ان کو عمارت سازی اور اس سے متعلقہ علوم اور فنون کے ماہرین درکار ہیں۔ یہ سننا تھا کہ ہندوستان، افغانستان، چین، وسطی ایشیاء،

ایران، عراق، شام، مصر، یونان، شمالی اور وسطی افریقہ کے اسلامی خطوں اور نہ جانے عالمِ اسلام کے کس کس کونے اور کس کس چپے سے نقشہ نویس، معمار، سنگ تراش، بنیادیں زمین کی زندہ رگوں تک اتارنے کے ماہر، چھتوں اور سائبانوں کو ہوا میں معلق رکھنے کے ہنرمند، خطاط، پچہ کار، شیشہ گر اور شیشہ ساز، کیمیا گر، رنگ ساز اور رنگ شناس، ماہرین فلکیات، ہواؤں کے رُخ عمارتوں کی دھار کو بٹھانے کے ہنرمند اور نہ جانے کن کن عیاں اور کیسے کیسے پوشیدہ علوم کے ماہرین، اساتذہ، پیشہ ور اور ہنرمندوں نے دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں اپنے اہل و عیال کو سمیٹا اور اس ازلی بلاوے پر قسطنطنیہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ کہیں بے حدود، ایک چٹیل ریگستان میں جنت کی کیاری کے کنارے، ان کے رسول کی قیام گاہ پر تعمیر ہونی تھی۔ وہ اور ان کے ہنر اب ہر طرح اس کام کے واسطے وقف تھے۔

ترکوں کو اس والہانہ کیفیت کی ایک حد تک اُمید تھی، مگر پھر بھی کہا جاتا ہے کہ اس اجتماعی بے اختیاری اور مکمل اطاعت پر ان کو تعجب ضرور ہوا تھا۔ بہرکیف ان کی تیاریاں بھی مکمل تھیں۔ عثمانی حکومت کی تقریباً ہر شاخ، اعلان سے پہلے ہی حرکت میں آ چکی تھی اور حکومت کے اہلکار اپنی حدود میں اور سفیر دوسرے اسلامی ممالک میں اس انداز اور اس ارادے کے تمام لوگوں کی اعانت کے واسطے تیار تھے۔ ان اہلکاروں اور سفیروں کو یہ احکامات تھے کہ وہ ان تمام ماہرین اور ان کے ہمراہ ان کے اہل و عیال کو اگر وہ چاہیں تو قسطنطنیہ تک کے راستے میں ہر طرح کی سہولت فراہم کریں۔ ادھر سلطانِ وقت کے حکم سے قسطنطنیہ سے چند فرسنگ کے باہر میدان میں ایک خود کفیل اور کشادہ بستی تیار ہو چکی تھی۔ سو پھر جب ان یکتائے روزگار لوگوں کے قافلے پہنچنے شروع ہوئے تو ان کو ان کے روزگار کے اعتبار سے اس نئی بستی کے الگ الگ محلوں میں بسایا جانے لگا اور حکومت مکمل طور پر ان کی کفیل ہوئی۔

اس عمل میں کوئی پندرہ برس گزر گئے مگر اب یقین سے کہا جا سکتا تھا کہ اس بستی میں اپنے وقتوں کے عظیم ترین فنکار جمع ہو چکے ہیں۔ اب خود سلطانِ وقت اس نئی بستی میں گیا اور اس نے خاندانی سربراہوں کا اجلاس طلب کر کے منصوبے کا اگلا حصہ ان کے سامنے رکھا۔ منصوبے کا اگلا حصہ اس طرح تھا۔ ہر ہنرمند اپنے سب ہونہار بچے یا بچوں (اولاد نہ ہونے کی صورت میں ہونہار ترین شاگرد) کا انتخاب کرے اور اس بچے کے جوان ہونے یا پختہ عمر کو پہنچنے تک اس کے بدن میں اپنا مکمل فن منتقل کر دے۔ ادھر حکومت کا ذمہ تھا کہ وہ اس دوران اس انداز کے اتالیق مقرر کرے کہ وہ بچے کو پہلے قرآن کریم پڑھائیں اور پھر قرآن حفظ کروائیں۔ ساتھ ساتھ شہ سواری بھی سیکھے۔ اس تمام تعلیم، تربیت اور تیاری کے واسطے پچیس برس کا عرصہ مقرر کیا گیا۔ اس منصوبے پر ہر ایک نے لبیک کہا اور صبر، محنت اور حیرت کا یہ بالکل انوکھا عمل شروع ہوا۔

چنانچہ پچیس برس بیت گئے اور ان انوکھے ہنرمندوں کی ایک نئی اور خالص نسل نشو ونما پا کر تیار ہوگئی۔ یہ تیس سے چالیس برس عمر کے مخصوص اور نیک اطوار نوجوانوں کی ایک ایسی جماعت تھی کہ جو محض اپنے اپنے آبائی اور خاندانی فنون ہی میں یکتا اور عنقا نہیں تھے بلکہ اس جماعت کا ہر فرد حافظِ قرآن اور فعال مسلمان ہونے کے علاوہ ایک صحت مند نوجوان اور اچھا شہسوار بھی تھا۔ بچپن کے لمحہ اوّل سے ان کو علم تھا کہ یہ وہ چیدہ لوگ ہیں کہ جن کو ایک روز کہیں بے حدود، ایک چٹیل ریگستان میں، جنت کی کیاری کے کنارے، اپنے رسول کی قیام گاہ کے گرد ایک ایسی کائناتی عمارت تعمیر کرنی ہے کہ جو آسمان کی جانب اس زمین کا واحد نشان ہو۔

ترکوں کے اعلان اوّل سے لے کر اب تک کوئی تیس برس سے زیادہ بیت چکے تھے اور مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معمار، جن کی تعداد کوئی پانچ سو کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے تیار تھے۔ ایک طرف تو ہنرمندوں کی یہ جماعت تیار ہو رہی تھی اور دوسری طرف ترک حکومت کے اہل کار عمارت کے واسطے ساز و سامان اکھٹا کرنے میں مصروف تھے۔ حکومت کے شعبہ کان کنی کے ماہرین نے خالص اور عمدہ رگ و ریشے کے پتھر کی بالکل نئی کانیں دریافت کیں کہ جن سے صرف ایک بار پتھر حاصل کر کے ان کو ہمیشہ کے واسطے بند کر دیا گیا۔ ان کانوں کی جائے وقوع کو اس حد تک صیغہ راز میں رکھا گیا کہ آج تک کسی کو علم نہیں ہے کہ مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں استعمال ہونے والے پتھر کہاں سے آئے تھے۔ بالکل نئے اور اَن چھوئے جنگل دریافت کئے گئے اور ان کو کاٹ کر ان کی لکڑی کو بیس برس تک حجاز کی آب و ہوا میں آسمان تلے موسمایا گیا۔ رنگ سازوں نے عالمِ اسلام میں اُگنے والے درختوں اور خاکی آبی پودوں سے طرح طرح کے رنگ حاصل کئے اور شیشہ گروں نے شیشہ بنانے کے واسطے حجاز ہی کی ریت استعمال کی۔ پچی کاری کے قلم ایران سے بن کر آئے۔ جبکہ خطاطی کے واسطے نیزے دریائے جمنا اور دریائے نیل کے پانیوں کے کنارے اُگائے گئے۔ غرض یہ کہ جب تک ان ہنرمندوں کی جماعت تیار ہوئی، ان ہی کے بزرگوں کی خاص طور پر تیار کردہ ٹولیوں نے عمارتی سامان بھی فراہم کر لیا۔ یہ سارا عمارتی سامان بمعہ ہنرمندوں کی جماعت کے، نہایت ہی احتیاط سے خشکی، پھر سمندر اور پھر خشکی کے راستے حجاز کی سرزمین تک پہنچا دیا گیا کہ جہاں مدینے سے چار فرسنگ دور ایک نئی بستی اس تمام سامان کو رکھنے اور ہنرمندوں کی تعمیر کے دوران رہنے سہنے کے واسطے پہلے ہی تیار ہو چکی تھی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر تعمیر مدینے میں ہونی تھی تو پھر ساز و سامان مدینے ہی میں رکھا جاتا، آخر یہ چار فرسنگ (بارہ میل) دور کیوں؟ اس کی وجہ ترک یہ بتاتے ہیں کہ آخر ایک بڑی عمارت تیار ہونی تھی کہ جس کے واسطے مختلف جسامت کے ہزاروں پتھر کاٹے جانے تھے، بڑے بڑے مچان ٹھوک ٹھاک کر تیار ہونے تھے، اس کے علاوہ بھی بہت سے ایسے ضروری عمارتی عمل ہونے تھے کہ جن میں شور کا بے حد امکان تھا، جبکہ وہ چاہتے تھے کہ عمارت کی تعمیر کے دوران مدینے میں ذرہ برابر بھی کوئی شور نہ ہو اور جس فضا نے ہمارے رسول کی آنکھیں دیکھیں اور آواز سنی ہوئی تھی، وہ اپنی حیاء، سکون اور وقار قائم رکھے۔

سو ہر ایسا کام کہ جس میں ذرا سا بھی شور کا امکان تھا، مدینے سے چار فرسنگ کے فاصلے پر ہوا اور پھر ہر چیز کو ضرورت کے مطابق مدینے لے آیا گیا۔ ایک ایک پتھر پہلے وہیں کاٹا گیا اور پھر مدینے لا کر نصب کیا گیا۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ چنائی کے دوران کسی پتھر کی کٹائی ذرا زیادہ ثابت ہوئی یا کوئی مچان یا جنگلا چھوٹا یا بڑا پڑا، تو اس کو عجلت میں ٹھونک بجا کر وہیں رسول پاک کے سرہانے ٹھیک نہ کیا گیا، بلکہ چار فرسنگ دور کی بستی لے جا کر اور دُرست کر کے دوبارہ مدینے لایا گیا۔ یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ اس دور میں ذرائع مواصلات کیا تھے۔ بھاری بوجھ نہایت سست رفتاری اور صبر سے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جاتا تھا اور انسانی نقل و حمل کے واسطے سب سے تیز رفتار سواری گھوڑے کے علاوہ کوئی اور نہ تھی۔ جبکہ سارا عماراتی سامان اپنی خام شکل میں مدینے کے مضافات والی بستی میں پہنچ گیا اور پھر پانچ سو کے لگ بھگ ہنرمندوں کی جماعت نے بھی اس بستی میں آن کر سکونت پالی، تو سب کچھ اب اس جماعت کے سپرد کر دیا گیا۔ اپنے فنون کے استعمال اور اپنے تخلیقی عمل میں یہ فنکار و ہنرمند بالکل آزاد تھے۔ صرف دو احکامات ان کو دیئے گئے۔ اوّل یہ کہ تعمیر کے لمحہ اوّل سے لیکر لمحہ تکمیل تک اس جماعت کا ہر ہنرمند اپنے کام کے دوران باوضو رہے اور دوم یہ کہ اس دوران وہ ہر لمحہ تلاوتِ قرآن جاری رکھے۔ سو باوضو حافظِ قرآن ہنرمندوں کی یہ جماعت پورے پندرہ برس تک مسجد نبوی کی تعمیر میں مصروف رہی اور پھر ایک صبح آئی کہ مسجد نبوی کے خلائی نشان کی چوٹی سے فجر کی اذان نے، زمین سے نہایت ہی بھروسے اور ایمان سے اُگی اس عمارت کے مکمل ہونے کا اعلان کر دیا۔ اب خلا محفوظ بھی تھا اور آزاد بھی۔

یہ عمارت کیسی ہے، کیا ہے، کہاں ہے اور کہاں لے جاتی ہے؟ اس کے بارے میں تو الگ کتاب لکھوں گا۔ یہاں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ یہ عمارت اس جہان میں ہوتے ہوئے بھی اس جہان میں نہیں ہے۔ اپنے آپ میں قائم رہ کر اس عمارت کو دیکھو تو یہ کہیں اور ہے۔ اپنے آپ سے باہر قدم دھر کے اس کو دیکھو تو یہ کہیں اور، اور ہم کچھ اور ہیں۔ پتھر، خلا، ہوا، آواز، لحن، نیت، ایمان اور نور نے مل کر صبر کی ایک نئی بُنت کی ہے۔ متوازی اوقات اگر رنگ برنگ کے دھاگے ہیں تو ان کی بُنت میں بے رنگ کا دھاگا اس عمارت کا نور ہے جو کہ اس بُنت کو محض معنی ہی نہیں دیتا، بلکہ اوقات کا ایک دوسرے سے ایک جائز اور مخفی رابطہ بن کر اوقات کو ایک مرکز بھی فراہم کرتا ہے اور اوقات کے اس مرکز سے ہم کو اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز یوں آتی ہے کہ جیسے خلا محفوظ بھی ہو اور آزاد بھی، کہ جیسے آواز پرندہ بھی ہو اور لہو بھی کہ اندھیرے میدانوں میں کبھی نور کا شجر اُگے تو کبھی نور کی وادیوں میں اندھیرا خود ایک شجر ہو کہ جیسے نور محض نور ہی نہ ہو، بلکہ نور کا منبع بھی ہو، سو جب ریاض الجنۃ میں اس خلا کے خم پر اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سرہانے بیٹھو، تو کشف ہوتا ہے کہ آخر محبت کے کیا معنی ہیں اور نیت کی کیا حدود، اور پھر وہ بے نام ہنرمند یاد آتے ہیں کہ جن کو اپنے ہنر سے اس واسطے محبت تھی کہ وہ ان کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قیام گاہ کی حیاء، سکون اور حیرت کو قائم رکھتے ہوئے اس عمارت کو اس خلا کے خم پر تعمیر کیا تھا کہ آج اس عمارت میں محض ان کا ہنر ہی نہیں، بلکہ ان کے ہنر کا غیب بھی محفوظ ہے اور پھر ترکوں کے واسطے دعا ہمارے پور پور سے بلند ہوتی ہے۔

پھر کئی صدیاں بیت گئیں۔

اندرونی سازشوں اور بیرونی نیتوں کے دباؤ کے تحت پرانی حکومتیں کمزور اور نئی حکومتیں اور طاقتیں ظہور میں آتی رہیں۔ پھر جب بیسویں صدی کا آغاز ہوا تو پہلی جنگِ عظیم شروع ہوئی۔ اس جنگ میں عثمانی حکومت نے انگریز، فرانسیسی اور اطالوی طاقتوں کے خلاف جرمن قوم کا ساتھ دیا۔ ۱۹۱۸ء میں ترک جرمن محاذ کو شکست ہوئی اور فتح پانے والوں نے جہاں جرمنی کے ٹکڑے کر کے شکست کے ساتھ ساتھ اس کے اجتماعی وقار کو خاک میں ملایا، وہاں ترکمانی ناموس بھی خون کے ساتھ ساتھ بہہ کر خاک میں شامل ہوگیا اور عثمانی حکومت کی کشادہ حدود بھی فاتح ٹولے کے تصرف میں آگئیں۔ اپنی نوآبادیاتی خواہشات کو آگے بڑھانے کے واسطے اس فاتح ٹولے نے عثمانی سلطنت کے خطوں پر حکومت کرنے کے دو طریقے رائج کئے۔ پہلا طریقہ براہِ راست حکومت تھا اور جہاں براہِ راست حکومت ممکن نہ تھی۔ وہاں ایک خاص منصوبے کے تحت ایسے قبیلوں، سیاسی جماعتوں یا افراد کو سہارا یا طاقت دینا طے پایا تھا کہ جن کی وساطت سے محض دائرہ اثر ہی کو قائم نہ رکھا جاسکے، بلکہ ہوسکے تو ملتِ اسلامیہ میں مزید انتشار اور کشیدگی بھی پھیلائی جاسکے۔

ترکوں کی جنگِ عظیم میں شکست کے بعد جزیرہ نما عرب میں جن طاقتوں نے علاقائی افراتفری کا فائدہ اُٹھا کر کھلم کھلا ہاتھ پاؤں چلانے شروع کردیے تھے، ان میں صوبہ نجد کے ایک پیشہ ور باغیوں کا سعود نامی قبیلہ بھی شامل تھا۔ جنگِ عظیم کے دوران ہی یہ لوگ ایک خفیہ معاہدے کے تحت انگریزوں سے مل چکے تھے۔ اس معاہدے کی رو سے انگریز یہ چاہتا تھا کہ جنگِ عظیم کے دوران یہ قبیلہ اپنی بغاوتوں، حملوں، جنگوں اور چھاپوں وغیرہ سے ترکوں کو اتنا تنگ کرے اور برسرِ پیکار رکھے کہ مشرق وسطی میں انگریز حملہ آوروں کی طرف پوری طرح دھیان نہ دے سکیں۔ اس کے عوض انگریز نے عہد کیا تھا کہ اگر وہ جنگ جیت گیا تو وہ پہلے نجد اور پھر جزیرہ نمائے عرب پر اس نجدی قبیلے کا تسلط قائم کرنے میں ان کی مدد کرے گا۔ مگر یہ انگریز کا عہد تھا جو کم از کم دوطرفہ تو ضرور ہوتا ہے۔ سو یہی عہد انہوں نے حجاز کے حسنی قبیلے سے بھی کیا ہوا تھا۔ بس جو چیز دونوں عہد ناموں میں مشترک تھی، وہ تھی ترکوں کی شکست اور جزیرہ نمائے عرب سے انخلاء۔

1710ء میں انگلستان کی نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت نے مجھے مصر، عراق، ایران، حجاز اوران کے مرکز استنبول (آج کا استنبول اس وقت کا قسطنطنیہ تھا) کی جاسوسی پر مامور کیا۔ مجھے ان علاقوں میں وہ راہیں تلاش کرنی تھیں جن سے مسلمانوں کو درہم برہم کر کے مسلم ممالک میں سامراجی نظام رائج کیا جا سکے۔ میرے ساتھ نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت کے نو اور بہترین تجربہ کار جاسوس اسلامی ممالک میں اس کام پر مامور تھے اور بڑی تندہی سے انگریز سامراجی نظام کے تسلط اور نو آبادیاتی علاقوں میں اپنے اثر ونفوذ کے استحکام کیلئے سرگرم عمل تھے۔ ان وفود کو وافر مقدار میں سرمایہ فراہم کیا گیا تھا۔ یہ لوگ بڑے مرتب شدہ نقشے اور بالکل نئی اور تازہ اطلاعات سے بہرہ مند تھے۔ ان کو امراء، وزراء، حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں اور علماء روسا کے ناموں کی مکمل فہرست دی گئی تھی۔ نو آبادیاتی علاقوں کے معاون وزیر نے ہمیں روانہ کرتے ہوئے خدا حافظی کے وقت جو بات کہی، وہ آج بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ اس نے کہا تھا، تمہاری کامیابی ہمارے ملک کے مستقبل کی آئینہ دار ہوگی لہٰذا اپنی تمام قوتوں کو بروئے کار لاؤ تا کہ کامیابی تمہارے قدم چومے۔

میں خوشی خوشی بحری جہاز کے ذریعے استنبول کیلئے روانہ ہوا۔ میرے ذمے اب دو اہم کام تھے۔ پہلے ترکی زبان پر عبور حاصل کرنا جو ان دِنوں وہاں کی قومی زبان تھی۔ میں نے لندن میں ترکی زبان کے چند الفاظ سیکھ لئے تھے اس کے بعد مجھے عربی زبان، قرآن، اس کی تفسیر اور پھر فارسی سیکھنا تھی۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کسی زبان کا سیکھنا اور ادبی قواعد، فصاحت اور مہارت کے اعتبار سے اس پر پوری دسترس رکھنا دو مختلف چیزیں ہیں۔ مجھے یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ میں ان زبانوں میں ایسی مہارت حاصل کروں کہ مجھ میں اور وہاں کے لوگوں میں زبان کے اعتبار سے کوئی فرق محسوس نہ ہو۔ کسی زبان کو ایک دو سال میں دیکھا جاتا ہے لیکن اس پر عبور حاصل کرنے کیلئے برسوں کا وقت درکار ہوتا ہے۔ میں اس بات پر مجبور تھا کہ ان غیر ملکی زبانوں کو اس طرح سیکھوں کہ اس کے قواعد ورموز کا کوئی نقطہ فروگزاشت نہ ہو اور کوئی میرے ترک، ایرانی یا عرب ہونے پر شک نہ کرے۔

ان تمام مشکلات کے باوجود میں اپنی کامیابی کے سلسلے میں ہراساں نہیں تھا کیونکہ میں مسلمانوں کی طبیعت سے واقف تھا اور جانتا تھا کہ ان کی کشادہ قلبی، حسن ظن اور مہمان نواز طبیعت جو انہیں قرآن وسنت سے ورثے میں ملی تھی انہیں عیسائیوں کی طرح بدگمانی اور بدبینی پر محمول نہیں کرے گی اور پھر دوسری طرف سے عثمانی حکومت اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ اب اس کے پاس انگلستان اور غیر ملکی جاسوسوں کی کاروائیاں معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اور ایسا کوئی ارادہ موجود نہیں تھا جو حکومت کو ان نامطلوب عناصر سے باخبر رکھ سکے۔ فرمانروا اور اس کے مصاحبین پورے طور پر کمزور ہو چکے تھے۔

بہر کیف ترکوں کی ہار کے بعد فاتح طاقتوں (اور بعد میں امریکہ) کے ایماء اور امداد پر سعودیوں نے اپنے علاقائی حریفوں کو آخر کار شکست دے کر ۱۹۲۱ء میں صوبہ نجد پر اپنی عمل داری اور بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ عالمی جنگ کے اختتام پر ہی ترکوں نے جان لیا کہ حجاز کا نظام حجاز کے سربراہ قبیلے کے سردار کے سپرد کرنے کے بعد وہ حجاز میں اپنی حکومت صرف فوجی طاقت کے ذریعے قائم رکھ سکتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی حملے کی صورت میں خاک حجاز پر لہو بہانا لازم ہو جائے گا اور خدانخواستہ مکے اور مدینے میں گولی چلانی لازمی ہو جائے گی۔ یہ کیفیت ترک لحن اور خصلت کے بالکل برعکس تھی۔ سو کچھ عرصہ سوچ بچار کے بعد حجاز کے ترک گورنر کا حکم ہوا تھا اور ترکوں نے خانہ کعبہ کے گرد آخری طواف کر کے مسجد نبوی کی دہلیز کو آخری بار چوما تھا اور خاک حجاز سے ہمیشہ کے واسطے چلے گئے تھے۔ اب اہل نجد اور اہل حجاز دونوں جزیرہ نمائے عرب کے بادشاہت کے خواہاں تھے اور دونوں کو انگریز کی حمایت حاصل تھی۔

اس سیاسی خلا کو سعودیوں نے پر کیا اور ۱۹۲۴ء میں مکے پر اور ۱۹۲۵ء میں مدینے اور جدے پر قبضہ جمانے کے بعد اس نجدی قبیلے کے سردار نے ۱۹۲۶ء میں نجد و حجاز کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ یہاں سے حجاز پر سعودیوں کی حکومت کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ دور ابھی تک جاری ہے۔ آخر یہ سعودی کون ہے؟

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کے ایک مشرقی صوبے سے ان کا تعلق ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقتوں میں جس قبیلے نے سب سے آخر میں اسلام قبول کیا تھا اور پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے فوراً بعد ہی جو قبیلہ اسلام سے منحرف ہو گیا تھا، وہ بھی سعودیوں کا قبیلہ تھا۔ آپ کو یہ بھی یاد ہوگا کہ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان ہی کی سرکوبی کے واسطے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک لشکر کے ساتھ نجد کی طرف روانہ کیا تھا اور ایک جنگ میں شکست پانے کے بعد ان میں سے کچھ پھر سے اسلام لے آئے تھے۔ اس موقع پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس علاقے میں ایک مسجد بھی تعمیر کی تھی۔ اس مسجد کے آثار ایک کھنڈر کی صورت میں ابھی تک قائم ہیں۔

نسبیات کے جدید ماہرین کا کہنا ہے کہ مسلمہ بن کذاب کا تعلق بھی اسی قبیلے کی ایک مرکزی شاخ سے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہیبت ناک بات غلط ہو، مگر حجاز میں اقتدار سنبھالنے کے بعد جو بدسلوکی انہوں نے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات سے وابستہ تاریخی، جمالیاتی، روحانی، جسمانی اور معاشرتی نشانات کے ساتھ کی ہے۔ اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ علم نسبیات کے ماہرین کا یہ کہنا غلط نہیں ہے۔

پھر اٹھارہویں صدی کے اوائل میں ایک شخص محمد بن عبدالوہاب نے انہی میں سر اٹھایا تو ان کی بلا سوچے سمجھے کاٹنے والی تلوار کا اس کی تقریر کی سہار ملی اور اس کی تقریر کو جس پر بیمار دماغ کی بڑھ سمجھ کر کوئی کان نہ دھرتا تھا، ان کی تلوار اور شاطرانہ خصلت کی سہار سے طاقت حاصل ہوئی، حتیٰ کہ اٹھارہویں صدی کے وسط تک محمد بن عبدالوہاب اور اس کے سعودی پرست کی اتنی ہمت ہوئی کہ ان دونوں نے مل کر عالم اسلام کے ہر بادشاہ اور فرمانروا کو خطوط بھیجے۔ ان خطوط میں اور باتوں کے بعد ٹیپ کے بند کے طور پر مندرجہ ذیل عبارت درج تھی:۔

'اللہ ایک ہے اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں
مگر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی تعریف کرنا یا ان کی تعظیم کرنا کوئی ضروری نہیں۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

آج تک سعودی لہو کی خصلت یہی ہے۔

سو حجاز پر قبضہ جمانے کے فوراً بعد ہی جو سب سے پہلا کام سعودیوں نے کیا تھا، وہ حجاز کے طول و عرض سے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام کو محو کرنے کا تھا۔ مسجد نبوی، خانہ کعبہ کی مسجد اور اس کے علاوہ جہاں جہاں اور جس جس عمارت اور مسجد پر **محمد** (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نام نہایت ہی فن اور محبت سے کندہ تھا، اس کو نہایت ہی بھونڈے پن سے مٹا دیا گیا۔ ایمان، محبت، فن خطاطی اور دیگر فنون لطیفہ کے ان نادر نمونوں پر کہیں تارکول پھیر دیا گیا اور کہیں ان پر پلستر تھوپ دیا گیا۔ اکثر اوقات لوہے کی چھینی اور ہتھوڑے کا استعمال بھی کیا گیا۔ اس بے مثال گستاخی کے نشانات آج تک حجاز کے طول و عرض میں اور خاص طور پر کعبہ کی پرانی مسجد اور مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے در و دیوار پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مٹانے کے بعد سعودیوں نے ایک باقاعدہ نظام کے تحت حیات طیبہ سے منسلک تقریباً ہر تاریخی، جمالیاتی، روحانی، جسمانی اور معاشرتی نشان کو اپنی ذہنی قلت اور قلیل تر عقیدے کا ہدف بنایا۔ جنت معلیٰ اور جنت البقیع کے قبرستان کہ جن کی بھربھری خاک میں حضرت عبدالمطلب، حضرت ابو طالب، ورقہ بن نوفل، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اُمہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنھن، آپ کی صاحبزادیاں رضی اللہ تعالیٰ عنھن، آپ کے صاحبزادگان اور خانوادہ رسول کے دیگر افراد، اصحاب کرام اور ان کے پورے پورے خاندان، مشائخ و صوفیائے کرام، نامورانِ اسلام اور دو جہانوں کی چہار سمتوں سے محبت اور ایمان کی خاطر آئے ہوئے ان گنت گمنام مسلمان سکون اور شائستگی سے سوتے تھے، لوہے کی مشینی ہل چلا کر کھود ڈالے گئے اور پھر چٹیلا پھروا کر برابر کروا دیئے گئے۔ بعد میں جنت البقیع کے سامنے سڑک کیساتھ قائم شہدائے کرام کے مزار سڑک کو چوڑا کروانے کی نذر ہوئے اور حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب کے مزار اور تابوت کو ایک بازار کی توسیع کے دوران راتوں رات غائب کروا دیا گیا۔ نہ ابو طالب کا محلہ رہا، نہ ورقہ بن نوفل کی دہلیز، نہ اُم ہانی کا آنگن رہا اور

نہ ہی بنوارقم کی بیٹھک کی کوئی چیز اس ٹیلے پر کہ جہاں ابو طالب کا محلّہ تھا، بلکہ ایک بدصورتی کی حد تک جدید، متعدد منزلوں کی عمارت کھڑی ہے۔ ورقہ بن نوفل کا مکان، ایک کپڑے کے بازار کی لپیٹ میں آچکا ہے۔ دارِ ارقم کی جگہ کرائے کی موٹر گاڑیوں کا اڈہ ہے اور رہا اُمِّ ہانی کا گھر کہ جس کے آنگن میں دو وقت مل کر ایک ہوئے تھے، تو وہ مسجد حرام کی 'توسیع' کے دوران مٹ کر بے نشان ہو چکا ہے۔ جب حضرت عبدالمطلب کی قبر ہی نہ رہی، تو اس تک جاتا وہ راستہ بھی نہ رہا کہ جس پر نو برس کا ایک بچہ آخری بار کھل کر رویا تھا اور نہ ہی وہ پگڈنڈی رہی کہ جس پر ایک ضعیف انسان اپنی چادر میں ایک نوزائیدہ بچے کو لپیٹ کر چلا تھا۔ ہاں! اس بے وضع عمارت کے سائے میں جو ابوطالب کے محلے کو کھود کر بنائی گئی ہے۔ ایک گھر اور اس کا وہ شمالی کمرہ کہ جس میں چہار آئینوں کی اوٹ میں کبھی کبھار چہار سمتیں ملی تھیں، ابھی تک بمشکل موجود ہے۔ مگر اس کمرے میں عرصے سے سفیدی نہیں ہوئی نہ تیسرے چاند کے بارہویں دن معصوم بچے تلاوت کرنے اس گھر میں داخل ہوتے ہیں۔ اس کمرے کے شمال کی جانب ایک روشن دان ضرور موجود ہے، مگر اس سے اب شمال کا ستارہ نہیں دیکھ سکتے کہ متعدد منزلوں کی وہ بدوضع عمارت کہ جو شاید کہیں اور نہ بن سکتی تھی، راستے میں حائل ہے اور رہے پرندے تو ان کے آزاد کرنے کا رواج تو اس شہر میں کبھی کا ختم ہو چکا ہے۔

اور ہاں اگر آپ اس گھر میں جس میں رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تھا، دو نفل شکرانے کے ادا کرنا چاہیں تو ایک ہنٹر بردار آپ کو روک دے گا۔ اس واسطے کہ اس کے اور اس کے آقاؤں کے نزدیک اس عظیم ترین رحمت پر اللہ کا شکر ادا کرنا شرک ہے۔

یہاں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر اور اس کمرے کے بارے میں بھی سن لیجیے کہ جہاں اعتماد کا ایک بنیادی لمحہ گزرا تھا۔ وہ کمرہ اور گھر بھی نصف صدی سے حافظِ قرآن، رنگ سازوں کا انتظار کرتے کرتے اب ایک صرافہ بازار سے گھر چکے ہیں۔

ہجرت کے راستے کا نشان تک مٹ چکا ہے۔ نئی حکومت نے مکے سے مدینے تک جانے کا نیا راستہ اختیار کیا ہے۔ یہ راستے مکے سے مقام بدر تک سمندر کے ساتھ ساتھ جاتا ہے اور وہی ہے کہ جس سے ابوسفیان' لشکرِ اسلام کی روانگی کی خبر سن کر اپنے قافلے کو بچا کر مکے کی جانب فرار ہو گیا تھا۔

مدینے پہنچتے پہنچتے ہی انسان مسجد قبا کا رُخ کرتا ہے۔ جس کے سامنے والے احاطے میں وہ نہایت قدیم کنواں تھا کہ جس کے پانی نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رُخ مبارک دیکھا تھا، مگر چند برس ہوئے اس کنوئیں کو بھی پتھر کی بڑی بڑی سلیں رکھ کر بند کیا جا چکا ہے۔ استفسار پر نہایت خشکی کیساتھ یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ مشینی پمپ ایجاد ہو چکے ہیں اس واسطے اب اس کنویں کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

جب شکست و ریخت کا یہ وحشت ناک عمل شروع ہوا تھا، تو سربراہ قبیلے کے سردار نے ترکوں کی بنائی ہوئی گنبدِ خضریٰ والی مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گنبد خضریٰ سمیت منہدم کرنے کا اعلان کیا تھا۔ پھر بہت بڑی بڑی اور اپنے وقتوں کی طاقتور ترین مشینیں منگوائی گئی تھیں اور پھر ایک نکڑ کے ستون سے شروعات کی گئی تھیں۔ دو ماہ تک یہ مشینیں اپنی پوری طاقت سے اس ایک ستون سے ٹکرا ٹکرا کر اس کو گرانے یا توڑنے کی کوشش کرتی رہی تھیں، مگر یہ ستون ذرہ برابر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا تھا۔ آخر اس کی جڑوں کو باوضو حافظِ قرآن ہنر مندوں کے ایمان، عشق اور نیت کے سیسے نے تھاما ہوا تھا، یہ کیسے اپنی جگہ سے ہلتا۔

جب طاقتور ترین مشینوں نے دو ماہ تک مسلسل کوشش کے باوجود ایک ستون بھی اپنی جگہ سے ایک انچ نہ ہل سکا، تو مسجد نبوی کو منہدم کرنے کی کوشش طوعاً و کرہاً روک دی گئی تھی۔ مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ستون پر اس عمل کے نشانات آج تک موجود ہیں۔

سو اب کس کس کا دُکھ بیان کروں؟ کسی نقش اوّل کو عقیدے کی قلت نے مٹایا، تو کسی کو دل کی قلت نے اور جو نقوش ان دونوں کی گرفت میں نہ آ سکے، ان کو بے اعتنائی اور جمالیاتی حس کے فقدان نے۔ اگر کبھی برسرِ اقتدار لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھو تو اوّل تو اس برصغیر کے محبت کے مارے مسلمانوں کو اس لائق ہی نہیں سمجھا جاتا کہ ان کو کوئی جواب دیا جائے۔ اگر کوئی مجبور کرے تو پھر دو الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں یعنی 'توسیع' اور 'شرک'۔

کیا 'توسیع' کسی اور انداز، حوصلے اور قرینے کے ساتھ نہ کی جا سکتی تھی کہ جس طرح ترکوں نے کی؟

اور کیا 'شرک' کو مٹانے کا طریقہ صرف یہی تھا کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باوقا ہڈیوں کے نشان کو مٹا دیا جائے؟؟؟

شرک کی حقیقت

قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

ترجمہ: اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ۔ (النساء:۳۶)

شرک کا لغوی معنی حصہ اور برابری ہے۔ اللہ کریم فرماتا ہے:

ام لهم شرك فى السمٰوٰت (فاطر:۴۰)

شریعت میں شرک کے معنی ہیں کسی کو ربّ کے برابر اونچا سمجھنا یا ربّ کو کسی کے برابر نیچا سمجھنا۔

شرح العقائد (از علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ) میں شرک کی تعریف یوں منقول ہے:

الاشراك هو اثبات اشريك فى الالوهية بمعنى وجوب الوجود كما للمجوس او بمعنى

استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنام النبراس شرح (كذا فی شرح الفقہ الاکبر علا علی القاری علیہ الرحمۃ الباری، ص۱۱)

ترجمہ: شرک کرنا یہ ہے کہ الوہیت میں کسی چیز کو شریک ماننا جیسے مجوس اللہ کے واء واجب الوجود مانتے ہیں یا اللہ کے سواء کسی کو عبادت کا مستحق سمجھنا جیسا کہ بت پرست اپنے بتوں کو عبادت کا مستحق مانتے ہیں۔

شرک تین قسم کا ہوتا ہے

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رقم فرماتے ہیں:

وبالجملہ شرک سہ قسم است در وجود و در خالقیت و در عبادت (اشعۃ اللمعات، ج ۱ ص ۷۲)

خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ شرک تین طرح پر ہوتا ہے ایک تو یہ کہ اللہ کے سواء کسی دوسرے کو واجب الوجود ٹھہرائے۔ دوسرا یہ کہ کسی اور کو اس کے سواء حقیقتاً خالق جانے یا کہے۔ تیسرا یہ کہ عبادت میں غیر خدا کی عبادت کرے یا اس کو مستحق عبادت سمجھے۔

اسلام میں شرک کی صرف تین صورتیں ہیں۔ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی گجراتی ثبت فرماتے ہیں:۔

۱......شرک فی الذات یعنی عالم کے مستقل خالق و مالک دو مانے جائیں جیسا کہ مجوسی خیر اور شر کو دو مستقل خالق مانتے ہیں۔

۲......شرک فی الصفات یعنی بعض بندوں کا خدا سے وہ رشتہ مانا جائے جو ہم جنسیت چاہتا ہے۔ جیسا بیٹا ہونا، زوجہ ہونا، بھائی، بھتیجا، بھانجا وغیرہ ہونا اور مشرکین عرب فرشتوں و ستاروں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔

۳......شرک فی الافعال یعنی کہ اللہ کے بعض بندوں کو رب تعالیٰ کا معاون و مددگار مانا جائے کہ رب تعالیٰ ان کے بغیر کام چلا سکتا ہی نہیں جیسا کہ بعض مشرکین عرب اپنے بتوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ (تفسیر نعیمی ملخصاً، پ ۵۔ ص ۱۴۹)

شرک کے تین مرتبے ہیں اور تینوں حرام ہیں۔ مفسر قرآن پیر محمد کرم شاہ الازہری، علامہ قرطبی الانصاری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

۱......یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی انسان، جن، شجر وحجر کو الٰہ یقین کرنا ہی شرکِ اعظم ہے اور عہدِ جاہلیت کے مشرکین یہی شرک کیا کرتے تھے جیسا کہ سورۃ الصّٰفّٰت میں ان کے متعلق ہے:

اذا قیل لهم لا الٰه الا الله یستکبرون لا ویقولون ائنا لتارکوا الهتنا لشاعر مجنون

جب انہیں یہ بتایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سواء اور کوئی خدا نہیں تو تکبر کرتے اور کہتے

اس شاعر دیوانہ کے کہنے پر ہم اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں۔

۲......ویلیه فی الرتبة اعتقاد شریك الله تعالیٰ فی الفعل وهو قول من قال ان موجود اما غیر الله تعالیٰ یستقل با حداث فعل وایجاده وان لم یعتقد کونه الها

یعنی شرک کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ کسی کے متعلق یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ مستقل طور پر اور بالذات اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی کام کرتا ہے اگرچہ اس شخص کو الٰہ نہ مانتا ہو۔

۳...... ویلی هذا الرتبة الشرك فی العبادة وهو الریاء (۱۱۸:۵)

یعنی کسی کو عبادت میں شریک کرنا اور یہ ریاء ہے اور یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے۔

(الجامع الاحکام القران، ج ۳ ص ۱۱۸۔ تفسیر ضیاء القرآن، ج ا ص ۳۵۱، ۳۵۲)

درج بالا بحث کی روشنی میں غور کیجئے کہ آج تک مسلمان نے کسی ولی، غوث، قطب یا نبی ورسول کے متعلق خواہ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہی ہو، ایسا اعتقاد رکھا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر وہ صاحبان جو مسلمانوں کو مشرک ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور صَرف کرتے ہیں اور وہ تمام آیات جو مشرکین مکہ اور کفارِ عرب کے حق میں نازل ہوئیں مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خارجیوں اور ملحدں کے متعلق فرماتے تھے:

هو شرار خلق الله وقال انهم انطلقوا انی ایات نزلت فی الکفار

فجعلوها علی المومنین (بخاری، ج ۲ ص ۱۰۲۴)

وہ اللہ کی بدترین مخلوق ہیں نیز فرمایا کہ یہ لوگ ان آیات کو جو کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں، مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ لہٰذا خاکسار ایسے مسلمان نما دین فروش جو درحقیقت خارجیوں اور ملحدوں کی ترجمانی کرنے میں پیش پیش نظر آتے ہیں کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ کیا انہیں خدا کا خوف نہیں ہے؟ وہ ڈریں کہ کہیں ان کا شمار یحرفون الکلم عن مواضعة کے زمرہ میں نہ ہو

جبکہ سیّد المرسلین، غمخوارِ اُمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی گنہگار اُمت کے متعلق واشگاف الفاظ میں فرماتے ہیں، اللہ کی قسم! میں اپنے بعد تم پر یہ خوف نہیں کرتا کہ تم شرک کرنے لگ جاؤ گے۔

اصل حدیث ملاحظہ فرمائیں:۔

عن عقبة بن عامر ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم خرج یوما فصلی علی اهل احد صلوته علی المیت ثم انصرف الی المنبر فقال انی فرط لکم و انا شهید علیکم و انی واللہ لا نظر الی حوضی الان و انی اعطیت مفاتیح خزائن الارض او مفاتیح الارض و انی واللہ ما اخاف علیکم ان تشرکوا بعدی ولکن اخاف علیکم ان تنافسوا فیها

(بخاری ج ۱ ص ۱۷۹، ۵۰۸۔ ج ۲ ص ۵۷۸۔ ج ۲ ص ۵۸۵۔ ج ۲ ص ۹۵۱۔ ج ۲ ص ۹۷۵۔ مسلم ج ۲ ص ۲۵۰۔ مشکوٰۃ ص ۵۴۷۔ فتح الباری ج ۳ ص ۶۲۹۔ ج ۶ ص ۷۵۸۔ ج ۷ ص ۳۴۲، ۲۸۰۔ ج ۱ ص ۲۹۳، ۵۶۸۔ عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۵۶۔ ج ۱۶ ص ۱۳۵۔ ج ۱۷ ص ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۶۵، ۱۶۶۔ ج ۲۳ ص ۳۹، ۴۰۔ ج ۲۳ ص ۱۴۳۔ ارشاد الساری ج ۲ ص ۴۴۰۔ ج ۶ ص ۵۲، ۳۱۲، ۳۹۱۔ ج ۹ ص ۳۴۲، ۳۴۴، ۳۴۵۔ الکاشف شرح الطیبی، ج ۱۱ ص ۱۷۶، ۱۷۷۔ مرقاۃ ج ۱۱ ص ۲۳۷۔ اشعۃ ج ۴ ص ۶۰۵)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دن (مدینہ سے) باہر نکلے اور شہداء اُحد پر نماز پڑھی، جس طرف اموات پر نماز پڑھی جاتی ہے، پھر منبر کی طرف جلوہ فرما ہوئے اور فرمایا میں تمہارا پیش رو ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں اور میں اللہ کی قسم اپنے حوض کو اس وقت دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں یا زمین کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں اور اللہ کی قسم میں اپنے بعد تم پر یہ خوف نہیں کرتا کہ تم شرک کرنے لگو گے لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرنے لگو گے۔

قارئین کرام! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ مجھے اس بات کا خوف نہیں ہے کہ میری اُمت شرک میں مبتلا ہو جائے گی جس سے واضح ہوا کہ جو مولوی صاحبان خواہ مخواہ مسلمانوں پر آئے دن شرک کے فتوے جڑتے رہتے ہیں اور یہ الاپتے رہتے ہیں کہ مسلمانوں میں شرک بہت پھیل گیا ہے اور اصل توحید نایاب ہوگئی ہے وہ بظاہر تو میری اور آپ کی مخالفت کرتے نظر آتے ہیں مگر دراصل یہ لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس پیشن گوئی کو سچا نہ سمجھ کر درحقیقت دشمنی اور بد عقیدگی کا ثبوت دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں انہیں صحیح العقیدہ سُنّی مسلمان نظر آتا ہے تو وہ اسے مشرک کہنے سے باز نہیں آتے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا تھا ؎

وہ تو حبیب پیارا تو عمر بھر کرے فیض وجود ہی سر بر

ارے تجھ کو کھائے تپ سقر تیرے دل میں کس سے بخار ہے

سیدالانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادِ پاک سے واضح ہوا کہ مسلمان کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ اللہ کی ذات اور اس کی صفات میں کسی چیز کو شریک ٹھہرائے بلکہ ایسا ہے بھی نہیں اور اس بات کی تصریح شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ایک حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شرح فرماتے ہوئے کی ہے کہ ایک مسلمان کے متعلق یہ باور ہی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ خدا کا شریک ٹھہرائے اور ہاں جہاں کہیں مسلمانوں کو شرک سے روکا گیا ہے، وہاں اس سے مراد شرک خفی ہے یعنی عبادت میں ریاء کاری اور دِکھلاوا۔ چنانچہ محقق علماء الاخلاق لکھتے ہیں:

دور بعض مقامات کہ مسلمانان رامنع از شرک واقع شدہ مراد ریاء ست یانہی است از ارتداد (اشعۃ اللمعات، ج ا ص ۷۳)

معلوم ہوا کہ مسلمان ہونا ہی شرک کرنے یا شریک ٹھہرانے کے منافی ہے، جس کی تائید وتوثیق جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اُمتِ محمدیہ کے نامور شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمائی۔

☆ صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تم پر اس شخص کا ڈر ہے جو قرآن پڑھے گا جب اس پر قرآن کی رونق آجائے گی اور اسلام کی چادر اس نے اوڑھ لی ہوگی تو اسے اللہ جدھر چاہے گا، بہکادے گا، وہ اسلام کی چادر سے صاف نکل جائے گا اور اسے پس پشت ڈال دے گا اور اپنے پڑوسی پر تلوار چلانا شروع کردے گا اور اسے شرک سے متہم ومنسوب کردے گا (یعنی شرک کا فتویٰ لگائے گا)۔

(حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں) میں نے پوچھا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! شرک کا زیادہ حق دار کون ہے؟ شرک کی تہمت لگایا ہوا یا شرک کی تہمت لگانے والا؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، شرک کی تہمت لگانے والا شرک کا زیادہ حقدار ہے۔ یہ سند جید ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

آخر میں دعا ہے کہ اللہ کریم ہمیں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆..☆

کئی مہینے کے تھکا دینے والے سفر کے بعد آخر کار ہم عثمانی دارالخلافہ میں پہنچے۔ جہاز سے اُترنے سے پہلے میں نے اپنے لئے 'محمد' کا نام تجویز کیا اور جب میں شہر کی جامع مسجد میں داخل ہوا تو وہاں کے لوگوں کے اجتماعات، نظم وضبط اور صفائی ستھرائی دیکھ کر خوش ہوا اور دل ہی دل میں کہا، آخر کیوں ہم ان پاک دل افراد کے آزار کے درپے ہیں؟ اور کیوں ان سے ان کی آسائش چھیننے پر تلے ہوئے ہیں؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس قسم کے ناشائستہ اُمور کی تجویز دی تھی؟ لیکن فوراً ہی میں نے ان شیطانی وسوسوں اور باطل خیالات کو ذہن سے جھٹک کر استغفار کیا اور مجھے خیال آیا کہ میں تو برطانیہ عظمیٰ کی نوآبادیاتی وزارت کا ملازم ہوں اور مجھے اپنے فرائض دیانتداری سے انجام دینے چاہئیں اور منہ سے لگائے ہوئے ساغر کو آخری گھونٹ تک پی جانا ہے۔

شہر میں داخلہ کے فوراً بعد ہی میری ملاقات اہل تسنن کے ایک بوڑھے پیشوا سے ہوئی۔ اس کا نام احمد آفندی تھا وہ ایک برجستہ، صاحب فضل اور نیک طینت عالم تھا۔ میں نے اپنے پادریوں میں ایسی بزرگ ہستی نہیں دیکھی تھی۔ وہ دن رات عبادت میں مشغول رہتا تھا اور بزرگی اور برتری میں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مانند تھا۔ وہ رسول خدا کو انسانیت کا مظہر کامل سمجھتا تھا اور آپ کی سنت کو اپنی زندگی کا مطمع نظر بنائے ہوئے تھا۔ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام آتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی۔ شیخ کے ساتھ ملاقات میں میری ایک خوش نصیبی یہ بھی تھی کہ اس نے مجھ سے ایک دفعہ بھی میرے حسب نسب اور خاندان کے بارے میں سوال نہیں کیا تھا اور ہمیشہ مجھے آفندی کے نام سے پکارتا تھا۔ جو کچھ بھی میں اس سے پوچھتا، بڑے وقار اور شرافت سے جواب دیتا تھا اور مجھے بہت چاہتا تھا۔ خاص طور پر جب اسے معلوم ہوا کہ میں غریب الوطن ہوں اور اس عثمانی سلطنت کیلئے کام کر رہا ہوں جو پیغمبر کی جانشین ہے تو مجھ پر اور بھی مہربان ہو گیا (یہ جھوٹ تھا جو میں نے استنبول میں اپنے قیام کی توجیہ بیان کرتے ہوئے شیخ کے سامنے بولا تھا)۔

اس کے علاوہ میں نے شیخ سے یہ بھی کہا تھا کہ میں بن ماں باپ کا ایک نوجوان ہوں، میرے بہن بھائی نہیں ہیں۔ میں بالکل اکیلا ہوں لیکن میرے والدین نے ورثہ میں میرے لئے بہت کچھ چھوڑا ہے۔ میں نے ارادہ کیا کہ قرآن اور ترکی اور عربی زبان سیکھنے کیلئے اسلام کے مرکز یعنی استنبول کا سفر اختیار کروں اور پھر دینی اور معنوی سرمایہ کے حصول کے بعد مادی کاروبار میں پیسہ لگاؤں۔ شیخ احمد نے مجھے مبارکباد دی اور چند باتیں کہیں جنہیں میں اپنی نوٹ بک سے یہاں نقل کر رہا ہوں۔

اے نوجوان! مجھ پر تمہاری پذیرائی اور احترام کئی وجوہات کی بناء پر لازم ہے اور وجوہات یہ ہیں:۔

☆ تم ایک مسلمان ہو اور مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ (انما المومنون اخوۃ)

☆ تم ہمارے شہر میں مہمان ہو اور پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے، (اکرمو الضیف) مہمان کو محترم جانو۔

☆ تم طالب علم ہو اور اسلام نے طالب علم کے احترام کا حکم دیا ہے۔

☆ تم حلال روزی کمانا چاہتے ہو اور اس پر (الکاسب حبیب اللہ) کاروبار کرنے والا اللہ کا دوست ہے کی حدیث صادق آتی ہے۔

اس پہلی ملاقات ہی میں شیخ نے اعلیٰ خصائص کی بنیاد پر مجھے اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کاش! عیسائیت بھی ان آشکار حقیقتوں سے ناآشنا ہوتی لیکن دوسری طرف میں یہ دیکھ رہا تھا کہ اسلامی شریعت اتنی بلند نگاہی اور بلند مقامی کے باوجود روبہ زوال ہو رہی تھی اور اسلامی حکمرانوں کی نالائقی، ظلم وستم، بداطواری اور پھر علمائے دین کا تعصب اور دنیا کے حالات سے ان کی بے خبری انہیں یہ دن دکھا رہی تھی۔

میں نے شیخ سے کہا، اگر آپ کی اجازت ہو تو میں آپ سے عربی زبان اور قرآن مجید سیکھنے کا خواہش مند ہوں۔ شیخ نے میری ہمت افزائی کی اور میری خواہش کا استقبال کیا اور سورہ حمد کو میرے لئے پہلا سبق قرار دیا اور بڑی گرمجوشی کے ساتھ آیتوں کی تفسیر و تاویل پیش کی۔ میرے لئے بہت سے عربی الفاظ کے تلفظ دشوار تھے اور کبھی یہ دشواری بہت بڑھ جاتی۔ وہ بار بار مجھ سے کہتا تھا میں عربی عبارت اس طرح تمہیں نہیں سکھاؤں گا تمہیں ہر مشکل لفظ کو دس مرتبہ تکرار کرنا ہوگا تا کہ الفاظ تمہارے ذہن نشین ہو جائیں۔

شیخ نے مجھے حروف کو ایک دوسرے سے ملانے کے طریقے سکھائے۔ مجھے قرآن کی تجوید وتفسیر سیکھنے میں دو سال کا عرصہ لگا۔ درس شروع کرنے سے پہلے وہ خود بھی وضو کرتا تھا اور مجھے بھی وضو کرنے کا حکم دیتا تھا۔ پھر ہم قبلہ رخ بیٹھ جاتے تھے اور درس کا آغاز ہوتا تھا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسلام میں اعضاء کو ایک خاص ترتیب سے دھونے کا نام وضو ہے۔ ابتداء میں منہ دھویا جاتا ہے۔ پھر پہلے سیدھے ہاتھ کو انگلیوں اور بعد میں الٹے ہاتھ سے کہنی تک دھویا جاتا ہے۔ اس کے بعد سر، گردن اور کانوں کے پچھلے حصہ کا مسح کیا جاتا ہے اور آخر میں پیر دھوئے جاتے ہیں۔

وضو کرتے وقت کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا مستحب ہے۔ آداب وضو سے پہلے ایک خشک لکڑی سے دانتوں کا مسواک جو وہاں کی رسم تھی میرے لئے بہت ناگوار تھی اور میں سمجھتا تھا کہ یہ خشک لکڑی دانتوں اور مسوڑھوں کیلئے انتہائی نقصان دہ ہے۔ کبھی کبھی میرے مسوڑھوں سے خون بھی جاری ہو جاتا تھا مگر میں ایسا کرنے پر مجبور تھا کیونکہ وضو سے پہلے مسواک کرنا سنتِ مؤکدہ بیان کیا گیا تھا اور اس کیلئے بہت ثواب اور فضیلت بیان کی گئی تھی۔